ذیقعدہ ۱۴۴۳ھ
جون ۲۰۲۲ء

ماہنامہ اعلیٰ حضرت

بریلی شریف

Monthly : 35/-
Yearly : 350/-

مدیر اعلیٰ
(مولانا) محمد سبحان رضا خان "سبحانی میاں"

قوم کے نام ایک اہم پیغام

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دل میں دشمنی اور عداوت رکھنے والے افراد، جن سنگھی، آریائی اور زعفرانی ذہنیت رکھنے والی آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد جیسی بیشمار تنظیموں کی منصوبہ بند سازشوں کی وجہ سے اس وقت مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور ثقافتی عمارتوں پر زعفرانی یلغار کا دور چل رہا ہے۔ بابری مسجد حاصل کر لینے کے بعد ان کے حوصلہ بہت بلند ہو چکے ہیں۔ جب سے اتر پردیش میں دوبارہ بی جے پی کی حکومت آئی ہے تب سے قدیم تاریخی مسجدوں، عمارتوں اور مقاماتِ مقدسہ پر ہندوؤں کی دعویداری کا ایک طوفان آ چکا ہے۔ ہر دن کورٹ کچہری میں کسی نہ کسی مسجد یا کسی نہ کسی عمارت کو لے کر مقدمات دائر کیے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کے سارے بنیادی مسائل کو پس پشت ڈال کر اس وقت پورے ملک میں تاریخی مسجدوں اور مسلم بادشاہوں کے ذریعے بنائی گئی تاریخی عمارتوں کو مندر قرار دیئے جانے کی زوردار بحثیں چل رہی ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا ہو کہ ملک کا پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا ہو یا عام دیگر پبلک پلیٹ فارم ہر جگہ صرف انہی مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اب تو ''گیان واپی مسجد اور متھرا کی شاہی عیدگاہ'' پر مندر ہونے کا دعوی کرنے کے ساتھ پوری دنیا کے سیاحوں کا اپنی طرف رخ موڑ لینے والے ''تاج محل''، پر بھی مندر ہونے کا دعویٰ کر دیا گیا ہے۔ ''قطب مینار'' کے ساتھ دہلی کی ''جامع مسجد'' اور اجمیر مقدس کی ''درگاہ خواجہ غریب نواز'' پر بھی اس زعفرانی ٹولے نے مندر ہونے کا دعویٰ ٹھونک دیا ہے۔ ان کے علاوہ ملک کے بیشمار خطوں میں بنی ہوئی مسجدوں اور تاریخی مقامات پر بھی مندر یا سناتن دھرم کی یادگار ہونے کے دعوے ہر روز دائر کیے جا رہے ہیں۔

یہ سب کام اتنے تسلسل اور منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ جس کی وجہ سے عام ہندوؤں کے ذہن میں یہ بات گھر کرتی جا رہی ہے کہ یہاں مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں ہمارے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں، انہوں نے اپنی حکومت میں ہمارے مذہبی مقامات کو توڑ کر اپنی مسجدیں تعمیر کی ہیں۔ یہ سب کر کے وہ مسلمانوں کے خلاف ملک میں نفرت کا ماحول پیدا کر کے اپنا سیاسی مفاد اور اقتدارِ ہند حاصل کرنا چاہتے ہیں جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔

آج کوئی بھی سیاسی جماعت مسلم مسائل یا مسلمانوں کی حمایت میں بولنے کی اپنے اندر ہمت نہیں جٹا پا رہی ہے کہ کہیں عام ہندو اس سے ناراض نہ ہو جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آج ملک کے گوشے گوشے میں یہ زعفرانی ٹولہ بلا شرکت غیر قابض ہو چکا ہے، کورٹ کچہری سے لے کر ایوانِ حکومت تک، ملکی سسٹم سے لے کر چھوٹے چھوٹے گورنمنٹی دفتروں تک اس زعفرانی ٹولے کی بالادستی قائم ہو چکی ہے۔ ہندوستانی مسلمان اس وقت انتہائی زوال کے دور سے گزر رہا ہے۔ مسلمانوں کا سیاسی، سماجی، مذہبی، تعلیمی، معاشی اور ثقافتی تانا بانا بکھر کر رہ گیا ہے۔ ظاہری طاقت و قوت کے زوال کے ساتھ اب تو اپنے دین و مذہب سے بھی عام اور بے پڑھا لکھا مسلمان دور ہوتا جا رہا ہے۔ ارتداد کا طوفان بہت تیزی کے ساتھ مسلم سماج کی طرف بڑھتا دکھائی دے رہا ہے۔ ملک کے موجودہ حالات آج ہر کسی کے سامنے ہیں۔ اگر بر وقت ہم نے اپنے اس سماجی تانے بانے کو محفوظ رکھنے کی تدبیریں نہیں کیں تو وہ دن دور نہیں جب یہاں کے مسلمانوں کا حال اسپین اور غرناطہ کے مسلمانوں کی طرح ہو جائے۔ اس لیے ہم سب سنیوں کو اپنے ذاتی اختلافات بھلا کر ملک سے مسلم مخالف نفرت کے ماحول کو ختم کرنے کی کوششیں اور اپنی مذہبی اور ثقافتی عمارتوں کے تحفظ کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہماری جان و مال، دین و ایمان اور عزت و آبرو کی حفاظت فرمائے۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

خادم مرکز اہل سنت خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United PRINTERS BAREILLY (M) 9319623803, 9548639384

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: امام اہلسنت، مجدد دین وملت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ العزیز

ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

بفیض روحانی
حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ
محمد حامد رضا قادری
علیہ الرحمہ

بانی رسالہ
مفسر اعظم حضرت علامہ
محمد ابراہیم رضا قادری

سرپرست روحانی
احسن العلماء حضرت علامہ
سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں
علیہ الرحمہ
مارہرہ شریف

بفیض کرم
مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ
محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری
علیہ الرحمہ

زیر سایۂ کرم
ریحان ملت حضرت علامہ شاہ
محمد ریحان رضا نوری قادری
علیہ الرحمہ

جلد نمبر ۶۲ / شمارہ نمبر ۶

ذیقعدہ ۱۴۴۳ھ — June 2022
جون ۲۰۲۲ء

مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ ریحان ملت، حضرت مولانا الحاج الشاہ
محمد سبحان رضا قادری ''سبحانی میاں'' مدظلہ العالی
سربراہ اعلیٰ خانقاہ رضویہ بریلی شریف

نائب مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج
محمد احسن رضا قادری مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد مسعود خوشتر صاحب ماریشس
حضرت مولانا ازہر القادری صاحب لندن
حضرت مولانا صفی احمد صاحب رضوی انگلینڈ
حضرت مولانا محمد فروغ القادری صاحب انگلینڈ
حضرت مولانا محمد محسن صاحب انگلینڈ
حضرت مولانا عبد الجبار صاحب رحمانی پاکستان
حضرت مولانا قاری غلام محی الدین صاحب انگلینڈ
عالی جناب محترم طارق بھٹی صاحب موریشس
عالی جناب الحاج نوشاد علی جواتا، ماریشس
عالی جناب الحاج فضل بھائی، جیولم موریشس

مجلس ادارت

مدیر	حضرت علامہ قاری عبد الرحمٰن خان قادری بریلوی
مدیر اعزازی	حضرت مفتی محمد سلیم بریلوی
مدیر معاون	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی کٹیہاری
مرتب	حضرت مفتی محمد انور علی رضوی بہرائچی
تزئین کار	جناب ماسٹر محمد زبیر رضا خاں بریلوی
کمپوزنگ	جناب مرزا توحید بیگ رضوی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

ماہنامہ اعلیٰ حضرت
۸۴/ سوداگران بریلی شریف

Monthly Alahazrat
84, Saudagran, Bareilly Sharif
Pin-243003
Contact No.
(+91)-0581- 2575683,
2555624 (Fax) 2574627
(Mob) (+91)-9359103539
E-mail:mahanamaalahazrat@gmail.com
E-mail:subhanimian@yahoo.co.in

ماہنامہ اعلیٰ حضرت انٹرنیٹ پر پڑھنے کے لئے
visit us: www.aalahazrat.in

چیک یا ڈرافٹ بنام
MAHNAMA ALA HAZRAT
A/c No.
0043002100043696
Punjab National Bank Civil Lines Bareilly

زر سالانہ ممبر شپ

فی شمارہ:	35/-
زر سالانہ:	350/-
بیرون ملک:	35$ / امریکی ڈالر

کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی بریلی کورٹ ہی میں قابل سماعت ہوگی (ادارہ)

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر اور ایڈیٹر "مولانا سبحان رضا خاں" نے رضا برقی پریس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اعلیٰ حضرت سوداگران بریلی شریف سے شائع کیا۔

کلام الامام - امام الکلام

تمہارے ذرّے کے پرتو ستارہائے فلک
تمہارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

سرِ فلک نہ کبھی تا بہ آستاں پہنچا
کہ ابتدائے بلندی تھی انتہائے فلک

یہ مٹ کے ان کی روش پر ہوا خود اُنکی روش
کہ نقشِ پا ہے زمیں پر نہ صوتِ پائے فلک

تمہاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم ہوئے بند دیدہائے فلک

نہ جاگ اٹھیں کہیں اہل بقیع کچّی نیند
چلا یہ نرم نہ نکلی صدائے پائے فلک

رضا یہ نعت نبی نے بلندیاں بخشیں
لقب زمینِ فلک کا ہوا سمائے فلک

نوٹ: تمام مشمولات کی صحت و درستگی پر مجلس ادارت کی گہری نظر رہتی ہے پھر بھی اگر کوئی شرعی غلطی راہ پا جائے تو آگاہ فرما کر اجر کے مستحق بنیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی قریبی شمارے میں تصحیح کر دی جائیگی۔

نوٹ: ادارہ کا مراسلہ نگار کی تحریر یا مضمون سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

فہرست

۱	کلام الامام امام الکلام	حسان الہند امام احمد رضا فاضل بریلوی	۱
۲	مسلمانان ہند کے مذہبی وثقافتی مقامات پر زعفرانی یلغار	مفتی محمد سلیم بریلوی	۵
۳	باب التفسیر	مولانا ابرار الحق رحمانی	۹
۴	باب الحدیث	حضرت علامہ الحاج سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۱۰
۵	فتاویٰ منظر اسلام	حضرت مفتی محمد احسن رضا قادری	۱۱
۶	تصوف وطریقت اور خدمت خلق	علامہ یٰسین اختر مصباحی	۱۲
۷	مرتبہ اجتہاد کا تعین اور اس کی مشکلات	علامہ مفتی محمد ارسلان رضا خان قادری	۱۷
۸	مدحتِ اعلیٰ حضرت	مولانا سلمان رضا فریدی، مسقط عمان	۲۵
۹	بھارت کا بدلتا منظر نامہ	مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی	۲۶
۱۰	حسن نظم اور حسن معنی کی مرقع ہے امداد القاری	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری رضوی	۲۹
۱۱	دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیٔ محفل کی آگ	علامہ فروغ القادری	۳۰
۱۲	اسلام اور آداب جنگ	حافظ محمد ہاشم قادری	۳۳
۱۳	ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ حالات اور دفاعی تدابیر	مولانا طارق انور مصباحی	۳۷
۱۴	علامہ ہاشم نعیمی۔ایک باکمال عالم ومدرس	مفتی محمد عاقل رضوی	۴۱
۱۵	مولانا نظام الدین نوری کا سانحۂ ارتحال	مولانا ازہر القادری	۴۳
۱۶	تحفظِ ناموسِ رسالت اور قومی بے حسی	مولانا غلام مصطفیٰ رضوی	۴۵
۱۷	نعت پاک	شہیر رضوی کھیروی، ڈاکٹر وصی مکرانی	۴۹
۱۸	کلام رضا میں مناقب خلفائے راشدین	مولانا ارشد شمسی	۵۰
۱۹	امام احمد رضا کا مذہبی وسیاسی نقطۂ نظر	مولانا محمد عمران رضا سنبھلی	۵۴

ہر ماہ انٹرنیٹ پر ماہنامہ اعلیٰ حضرت پڑھنے کے لیے کلک کریں ہماری اس ویب سائٹ پر۔

Website:-www.aalahazrat.in

E-mail:-mahanamaalahazrat@gmail.com,saleembly@gmail.com

مسلمانان ہند کے مذہبی وثقافتی مقامات پر زعفرانی یلغار

اداریہ:-مفتی محمد سلیم بریلوی، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

زعفرانی تہذیب وثقافت کی بالادستی: سرزمین ہند پر کئی سو سال تک مسلم حکمرانوں نے انتہائی کامیاب ترین انداز میں حکومت کی۔ان کی یہ حکومت اگرچہ تاریخ ہند میں اسلامی حکومت کے نام سے جانی جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دو چند کو چھوڑ کر زیادہ تر مسلم سلاطین نے یہاں حکومت برائے حکومت ہی کی تھی۔اصطلاحی طور پر ہم اسے اسلامی حکومت قرار نہیں دے سکتے۔ان میں سے زیادہ تر بادشاہوں نے جس انداز میں حکومت کی ہے اسے ہم آج کی ''جمہوری حکومت'' کا نام دے سکتے ہیں۔انہوں نے بلا تفریق مذہب وملت جہاں بانی کے طور پر عدل وانصاف کی بالا دستی قائم رکھتے ہوئے اپنی رعایا اور ہندوستانی باشندوں کو ہر طریقے کی سہولیات فراہم کیں۔ان سلاطین نے جہاں مسلمانوں کی عبادت کے لیے مساجد، مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے لیے دانش کدے اور اسلامی تہذیب وثقافت کو زندہ رکھنے کے لیے تاریخی عمارتیں تعمیر کرائیں تو وہیں یہاں کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لیے بھی عبادت خانے، تعلیم گاہیں اور ان کی تہذیب وثقافت کو ظاہر کرنے والی تاریخی عمارتیں بھی تعمیر کرائیں۔زیادہ تر مسلم بادشاہ صرف حکومت برائے حکومت کے نظریہ سے فرماں روائی کیا کرتے تھے۔یہ لوگ نہ تو مذہب کی ترویج واشاعت اور دین کی دعوت وتبلیغ سے کوئی مطلب رکھتے تھے اور نہ ہی اسلامی اور شرعی علوم وفنون کی تدوین وترسیل سے انہیں کوئی خاص دلچسپی تھی۔یہ بات ضرور ہے کہ یہ لوگ اپنے نام ونمود اور اپنی یادگار کو قائم رکھنے کے لیے جا بجا ایسی عمارتیں ضرور تعمیر کراتے تھے کہ جو عراق، ایران، غزنی، ثمرقند و بخارا اور عربی طرز تعمیر کا شاہکار تھیں۔چونکہ یہ خود مسلمان تھے اور ان کے نام بھی اسلامی تھے اس لیے ان عمارتوں کے نام جب یہ اپنے نام پر رکھتے تھے تو وہ لازمی طور پر اسلامی نام اور اسلامی تہذیب وثقافت کی عکاسی کرتے تھے۔

زعفرانی ٹولہ کی ناراضگی: یہ بات بہت سے ہندوستانی باشندوں کو پسند نہ تھی خاص کر ہندوستان کی وہ فرقہ پرست زعفرانی طاقتیں جن کا ہمیشہ سے یہ خواب تھا کہ یہاں صرف اور صرف بھگوا جھنڈے لہراتے رہیں، سناتن دھرم کا غلبہ ہو، آریائی اور زعفرانی تہذیب وثقافت کی بالا دستی قائم رہے۔جب تک مسلم سلاطین کی بادشاہت مضبوط رہی یہ لوگ خاموش رہے، اپنی مسلم دشمنی کو اپنے دل میں چھپائے رہے، مسلم بادشاہوں کی غیر جانبدارانہ حکومتی پالیسی کی وجہ سے بلا تفریق مذہب وملت زیادہ تر ہندوستانی شہری ان کی حکومت کو نہ صرف یہ کہ پسند کرتے تھے بلکہ ان کے عدل وانصاف کو دیکھ کر وہ ان کی حکومت وفرماں روائی کے مؤید بھی تھے اور اس کے معاون بھی۔ان بادشاہوں کے دربار میں ان کو بڑے بڑے عہدے بھی حاصل تھے اور فوج میں بھی انہیں اہم منصب عطا کیے جاتے

تھے۔اس وجہ سے ان بادشاہوں اور ان کی حکومت سے سخت ترین نفرت کرنے والے یہ کچھ زعفرانی ذہنیت کے حامل فرقہ پرست لوگ اپنی نفرت کو دل میں چھپائے رکھنے پر مجبور تھے جس کا وہ اپنے ہم مذہب لوگوں میں بھی کھلے عام اظہار نہ کر پاتے تھے۔بس بے بسی کے عالم میں مسلم بادشاہوں کی حکومت و بالا دستی کے خاتمے کی تمنا لیے وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

مسلمانان ہند کی شوکت کا زوال: مغلیہ سلطنت کا جب خاتمہ انگریزی سامراج کے ہاتھوں ہوا تو انہیں ایک سنہرا موقع ہاتھ آگیا۔صدیوں پرانی دل میں چھپی ہوئی دشمنی باہر آنے لگی۔ انگریزوں سے مل کر اسلامی تہذیب و ثقافت اور مسلم بادشاہوں کی بادشاہت کو ختم کرنے اور نقصان پہنچانے کی ہر سطح پر کوشش کرنے لگے۔انگریزوں نے بھی موقع مناسب جان کر اور اپنے اصول ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' پر عمل کرتے ہوئے ان کی اس مسلم دشمنی کو اور ہوا دینا شروع کر دی۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان پر انگریزی سامراج کے قابض ہو جانے کے بعد سرزمین ہند کا کوئی ایسا گوشہ اور خطہ باقی نہ بچا جو مسلمانان ہند خاص کر علمائے اسلام کے خون سے لالہ زار نہ ہوا ہو۔بیشمار مسلمانوں کا خون بے رحمی کے ساتھ بہایا گیا، بیشمار مسلمانوں کی زمین و جائیداد کو ضبط کیا گیا، بیشمار مسلمانوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا گیا اور بیشمار مسلمانوں کو ہندوستان بدر کر کے ''کالا پانی'' کی سزائیں دی گئیں۔یہ وہ وقت تھا کہ جب ایک طرف ہندوستان کی حفاظت و پاسبانی کے لیے لڑنے والے اور انگریزوں سے مقابلہ کرنے والے مسلمان انگریزی سامراج کے ظلم و ستم کا سامنا کر رہے تھے تو وہیں دوسری طرف ہندوستان میں صدیوں سے مسلمانوں کے تعلق سے دل میں دشمنی رکھنے والے یہ زعفرانی اور فرقہ پرست طاقتیں انگریزوں کی ''عنایات خسروانہ'' سے دادِ عیش دے رہی تھیں۔مسلمان انگریزوں کے ہاتھوں برباد ہو رہے تھے اور یہ فرقہ پرست اور زعفرانی ٹولہ ''انگریزی نوازش و انعامات'' سے عیش کر رہا تھے۔مسلمانوں کا زوال ہو رہا تھا اور یہ طاقتیں عروج و ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی تھیں۔صدیوں سے جو خواب یہ اپنے دل میں رکھے ہوئے تھے آج وہ شرمندۂ تعبیر ہو رہے تھے۔یہی وجہ ہے کہ آزادی کی جنگ میں یہ زعفرانی ٹولہ ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ آزادی ہند کی تاریخ میں اس بھگوا دھاری ٹولے کا کہیں کوئی حصہ اور کہیں کوئی نام و نشان دکھائی نہیں دیتا۔

آزادی ہند اور زعفرانی ٹولہ کی تلملاہٹ: سالہا سال کی جد و جہد کے بعد آخر کار مسلمانان ہند اور سیکولر ذہنیت رکھنے والے دیگر مذاہب کے افراد کی کوششوں سے ہمارا ملک انگریزی سامراج کی غلامی سے آزاد ہوا۔اس وقت بھی اس زعفرانی ٹولے کی کوشش یہی تھی کہ انگریز ہندوستان کی حکومت کا تاج ان کے سر پر سجا کر جائیں اور وہ اس ملک کو زعفرانی رنگ میں رنگ کر ''ہندو راشٹر'' بنا دیں۔چونکہ اس ملک کی آزادی کی جنگ میں مسلمانوں کا ایک نہایت اہم حصہ اور قربانی تھی جس کی وجہ سے لاکھ کوششوں کے بعد بھی اس وقت ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور یہ ملک جمہوری ملک قرار دے دیا گیا۔یہ زعفرانی ٹولہ اس کو برداشت نہ کر سکا اور مسلم دشمنی میں اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ گاندھی جی کو وہ اس کا ذمہ دار

ماننے لگا۔ انہیں یہ ہرگز برداشت نہ تھا کہ اس ملک کی حکومت میں مسلمانوں کا کوئی حصہ ہو یا یہاں جمہوریت کی بالا دستی قائم ہو۔ اس لیے اس ٹولے کے ایک فرد ''ناتھورام گوڈسے'' نے بر سرِ عام گاندھی جی کا بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

مسلم دشمنی کا عروج: یہ ٹولہ اسی پر نہ رکا بلکہ آر ایس ایس اور جن سنگھ جیسی تنظیمیں بنا کر یہ پورے ملک میں اقلیتی درجہ رکھنے والے مسلمانوں کے خلاف اکثریتی طبقہ کے ذہن وفکر میں زہر گھولتا رہا۔ یہ کام اس نے اتنے استقلال اور اتنے تسلسل کے ساتھ کیا کہ آج آزادی ہند کے ۷۵ رسال ہوتے ہوتے ملک کے گوشے گوشے میں مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست نفرت کا طوفان برپا کر دیا گیا جس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ ملک کا اکثریتی طبقہ مسلمانوں سے اتنی نفرت کرنے لگا ہے کہ نہ تو اسے مسلمانوں کی مذہبی شناخت برداشت ہو رہی ہے اور نہ ہی مسلمانوں کے مذہبی مقامات کو برداشت کر پا رہا ہے۔ نہ تو مسلمانوں کو اپنے خطہ میں وہ رہنے دینا پسند کرتا ہے اور نہ ہی ان سے خرید وفروخت کرنا پسند کرتا ہے۔ نفرت کا عالم تو یہ ہے کہ اب یہ طبقہ ہر اس جگہ سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دینا چاہتا ہے کہ جو ہندوستان کی فن تعمیر کا عظیم شاہکار ہیں۔ اسلامی تہذیب وثقافت کی عکاسی کرنے والی ہر عمارت کو نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کے نام پر جو عمارتیں ہیں انہیں یا تو مسمار کر دینا چاہتا ہے یا ان کی اصل صورت ہی کو مسخ کر دینا چاہتا ہے۔ جن شہروں، گاؤں، سڑکوں، محلوں اور تاریخی عمارتوں کے نام اسلامی ہیں ان سب کو یہ زعفرانی طبقہ زعفرانی رنگ میں رنگ دینے کی ایک عظیم تحریک چلا رہا ہے۔

تاریخی عمارتوں پر زعفرانی یلغار: اس وقت مسلمانان ہند کی مذہبی اور ثقافتی عمارتوں پر زعفرانی یلغار کا دور چل رہا ہے۔ بابری مسجد حاصل کر لینے کے بعد ان کے حوصلہ بہت بلند ہو چکے ہیں۔ جب سے اتر پردیش میں دوبارہ بی جے پی کی حکومت آئی ہے تب سے قدیم تاریخی مسجدوں، عمارتوں اور مقامات مقدسہ پر ہندوؤں کی دعویداری کا ایک طوفان آ چکا ہے۔ ہر دن کورٹ کچہری میں کسی نہ کسی مسجد یا کسی نہ کسی عمارت کو لے کر مقدمات دائر کیے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کے سارے بنیادی مسائل کو پس پشت ڈال کر اس وقت پورے ملک میں تاریخی مسجدوں اور مسلم بادشاہوں کے ذریعے بنائی گئی تاریخی عمارتوں کو مندر قرار دیئے جانے کی زوردار بحثیں چل رہی ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا ہو کہ ملک کا پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا ہو یا عام دیگر پبلک پلیٹ فارم ہر جگہ صرف انہیں مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اب تو ''گیان واپی مسجد اور متھرا کی شاہی عیدگاہ'' پر مندر ہونے کا دعویٰ کرنے کے ساتھ دنیا کے ساتویں عجوبے کا درجہ حاصل کرنے والے اور پوری دنیا کے سیاحوں کا اپنی طرف رخ موڑ لینے والے ''تاج محل'' پر بھی مندر ہونے کا دعویٰ کر دیا گیا ہے۔ ''قطب مینار'' کے ساتھ دہلی کی ''جامع مسجد'' اور اجمیر مقدس کی ''درگاہ خواجہ غریب نواز'' پر بھی اس زعفرانی ٹولے نے مندر ہونے کا دعویٰ ٹھونک دیا ہے۔ ان کے علاوہ ملک کے بیشمار خطوں میں بنی ہوئی مسجدوں اور تاریخی مقامات پر بھی مندر یا سناتن دھرم کی یادگار ہونے کے دعوے ہر روز دائر کیے جا رہے ہیں۔

مذہبی مقامات کا حصول یا سیاسی مفاد: یہ سب کام اتنے

تسلسل اور منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ جس کی وجہ سے عام ہندوؤں کے ذہن میں یہ بات گھر کرتی جا رہی ہے کہ یہاں مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں ہمارے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں، انہوں نے اپنی حکومت میں ہمارے مذہبی مقامات کو توڑ کر اپنی مسجدیں تعمیر کی ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ جب اکثریتی طبقہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی تو وہ خود بخود یہاں کے مسلم باشندوں سے نفرت کرنے لگے گا اور ہر اس سیاسی جماعت سے بھی نفرت کرنے لگے گا کہ جو مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کرے گی۔ جب یہ کام ہو جائے گا تو یہ زعفرانی طبقہ آسانی کے ساتھ اپنی پارٹی کو برسر اقتدار کر کے یہاں کے تخت حکومت پر بلا شرکت غیر قابض ہو جائے گا اور یہی ہو بھی رہا ہے۔ یہ طبقہ اپنے اس مشن میں سو فیصد کامیابی حاصل کرتا جا رہا ہے۔ آج کوئی بھی سیاسی جماعت مسلم مسائل یا مسلمانوں کی حمایت میں بولنے کی اپنے اندر ہمت نہیں جٹا پا رہی ہے کہ کہیں عام ہندو اس سے ناراض نہ ہو جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آج ملک کے گوشے گوشے میں یہ زعفرانی ٹولہ بلا شرکت غیر قابض ہو چکا ہے، کورٹ کچہری سے لے کر ایوان حکومت تک، ملکی سسٹم سے لے کر چھوٹے چھوٹے گورنمنٹی دفتروں تک اس زعفرانی ٹولے کی بالا دستی قائم ہو چکی ہے۔ ہندوستانی مسلمان اس وقت انتہائی زوال کے دور سے گزر رہا ہے۔ مسلمانوں کا سیاسی، سماجی، مذہبی، تعلیمی، معاشی اور ثقافتی تانا بانا بکھر کر رہ گیا ہے۔ ظاہری طاقت وقوت کے زوال کے ساتھ اب تو اپنے دین ومذہب سے بھی عام اور بے پڑھا لکھا مسلمان دور ہوتا جا رہا ہے۔ ارتداد کا طوفان بہت تیزی کے ساتھ مسلم سماج کی طرف بڑھتا دکھائی دے رہا ہے۔

اب تو حال یہ ہے کہ حکومت کے دباؤ یا حکومتی مراعات حاصل کرنے کے لیے خود مسلم قوم کے درمیان ہی ایسے لوگ تیزی کے ساتھ ابھر رہے ہیں جو اسلام، شریعت اسلامیہ، مسلم بادشاہوں اور اسلامی رسم ورواج کے خلاف برسرِ عام ٹی وی چینلوں کی ڈبیٹ میں بیٹھ کر زہر اگل رہے ہیں۔ آر ایس ایس نے بے شمار مسلمانوں کو اپنے ہی مذہب کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے تیار کر دیا ہے۔ خود اپنے ہی مذہب کے خلاف ایسے لوگ محاذ کھول چکے ہیں۔ یہ صورت حال واقعی بہت ہی نازک اور تشویشناک ہے۔ اگر آر ایس ایس نوازان نام نہاد مسلمانوں کے خلاف کوئی عالم دین، کوئی دار الافتاء یا کوئی عام مسلمان آواز اٹھاتا ہے تو موجودہ حکومت کے زیر اثر اسے سنگین دفعات لگا کر جیل کے اندر بھیج دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں اور مسلمانوں کی تہذیب وثقافت پر ہونے والے ان حملوں کے خلاف جو بھی آواز بلند کرنا چاہتا ہے اسے موجودہ حکومت کے اشارے پر خفیہ ایجنسیاں، قانونی ادارے اور حفاظتی دستے بیشمار جرائم میں ملوث دکھا کر سالہا سال کے لیے انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیتے ہیں۔ کوئی مذہبی ادارہ یا مسلمانوں کا کوئی دینی مرکز اگر ان زیادتیوں کے خلاف اپنا منھ کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسے اداروں کی رات و رات اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی ہے اور میڈیا کے ذریعہ اسے ملک مخالف اور ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث دکھا دیا جاتا ہے۔

ملک کے موجودہ حالات آج ہر کسی کے سامنے ہیں۔ اگر بروقت ہم نے اپنے اس سماجی تانے بانے کو محفوظ رکھنے کی تدبیریں نہیں کیں تو وہ دن دور نہیں جب یہاں کے مسلمانوں کا حال اسپین اور غرناطہ کے مسلمانوں کی طرح ہو جائے۔ اللہ ہماری جان ومال، دین وایمان اور عزت وآبرو کی حفاظت فرمائے۔

ترجمہ: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

باب التفسیر

تفسیر: صدرالافاضل حضرت علامہ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ

پیش کش: مولانا ابرارالحق رحمانی مدھوبنی

ترجمہ: - اے لوگو۲ اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۳ اور اسی میں سے اس کا جوڑ ابنایا اور ان دونوں سے بہت مرد وعورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو۴ (سورۂ نساء رکوع ۱، ۱۲ر پارہ ۴ر آیت ۱تا۱)

تفسیر: - ۲ یہ خطاب عام ہے تمام بنی آدم کو۳ ابوالبشر حضرت آدم سے جن کو بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا کیا تھا۔ انسان کی ابتدائے پیدائش کا بیان کرکے قدرت الٰہیہ کی عظمت کا بیان فرمایا گیا اگرچہ دنیا کے بے دین بدعقلی و نافہمی سے اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں لیکن اصحاب فہم وخرد جانتے ہیں کہ یہ مضمون ایسی زبردست برہان سے ثابت ہے جس کا انکار محال ہے۔ مردم شماری کا حساب پتہ دیتا ہے کہ آج سے ۱۰۰ ربرس قبل دنیا میں انسانوں کی تعداد آج سے بہت کم تھی اور اس سے ۱۰۰ ربرس پہلے اور بھی کم تو اس طرح جانب ماضی میں چلتے چلتے اس کمی کی حد ایک ذات قرار پائے گی یا یوں کہیئے کہ قبائل کی کثیر تعدادیں ایک شخص کی طرف منتہی ہوجاتی ہیں مثلاً سید دنیا میں کروڑوں پائے جائیں گے مگر جانب ماضی میں ان کی نہایت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک ذات پر ہوگی اور بنی اسرائیل کتنے بھی کثیر ہوں مگر اس تمام کثرت کا مرجع حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک ذات ہوگی۔ اسی طرح اور اوپر کو چلنا شروع کریں تو انسانوں کے تمام شعوب وقبائل کی انتہا ایک ذات پر ہوگی۔ اس کا نام کتب الٰہیہ میں آدم علیہ السلام ہے اور ممکن نہیں کہ وہ ایک شخص توالد وتناسل کے معمولی طریقے سے پیدا ہوسکے اگر اس کے لیے باپ فرض بھی کیا جائے تو ماں کہاں سے آئے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی پیدائش بغیر ماں باپ کے ہو اور جب بغیر ماں باپ کے پیدا ہوا تو بالیقین انہیں عناصر سے پیدا ہوگا جو اس کے وجود میں پائے جاتے ہیں پھر عناصر میں سے جو عنصر اس کا مسکن ہو اور جس کے سوا دوسرے میں وہ نہ رہ سکے لازم ہے کہ وہی اس کے وجود میں غالب ہو۔ اس لیے پیدائش کی نسبت اسی عنصر کی طرف کی جائے گی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ توالد وتناسل کا معمولی طریقہ ایک شخص سے جاری نہیں ہوسکتا اس لیے اس کے ساتھ ایک اور بھی ہو کہ جوڑا ہوجائے اور وہ دوسرا شخص انسانی جو اس کے بعد پیدا ہو مقتضائے حکمت یہی ہے کہ اسی کے جسم سے پیدا کیا جائے کیونکہ ایک شخص کے پیدا ہونے سے نوع موجود ہو چکی مگر یہ بھی لازم ہے کہ اس کی خلقت پہلے انسان سے توالد معمولی کے سوا کسی اور طریقے سے ہو کیونکہ توالد معمولی بغیر دو کے ممکن ہی نہیں اور یہاں ایک ہی ہے۔ لہٰذا حکمت الٰہیہ نے حضرت آدم کی ایک بائیں پسلی ان کے خواب کے وقت نکالی اور ان سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا چونکہ حضرت حوا بطریقہ توالد معمولی پیدا نہیں ہوئیں اس لیے وہ اولاد نہیں ہوسکتیں جس طرح کہ اس طریقے کے خلاف جسم انسانی سے بہت سے کیڑے پیدا ہوا کرتے ہیں وہ اس کی اولاد نہیں ہوسکتے ہیں۔ خواب سے بیدار ہوکر حضرت آدم نے اپنے پاس حضرت حوا کو دیکھا تو محبت جنسیت دل میں موجزن ہوئی۔ ان سے فرمایا تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا عورت۔ فرمایا کس لیے پیدا کی گئی ہو؟ عرض کیا آپ کی تسکین خاطر کے لیے۔ تو آپ ان سے مانوس ہوئے۴ انہیں قطع نہ کرو۔ حدیث شریف میں ہے جو رزق کی کشائش چاہے اس کو چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے اور رشتہ داروں کے حقوق کی رعایت رکھے۔

☆

گلدستۂ احادیث

ترتیب وانتخاب: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج الشاہ **محمد سبحان رضا سبحانی میاں مدظلہ العالی**

سربراہ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ رضا نگر، سوداگران بریلی شریف

بد مذہبوں سے میل جول کا حکم

عوام تو عوام آج تو بہت سے عالم کہلانے والے بھی بد مذہبوں کے ساتھ بلا وجہ شرعی ایسی مخالطت ومجالست اور مواکلت ومشاربت رکھنے لگے ہیں کہ جو حرام کے درجے میں آتی ہے۔ اس سلسلہ میں میرے جد امجد سیدی سرکار اعلیٰ حضرت نے ''فتاویٰ رضویہ'' میں احادیث کریمہ کی روشنی میں ان بد مذہبوں کے تعلق سے بہت واضح احکام بیان فرمادیئے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث بیان فرمائی:

قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ان الله اختارنی واختار لی اصحابا واصهارا وسیاتی قوم یسبونهم وینقصونهم فلا تجالسوهم ولاتشاربوهم، ولا تواكلوهم، ولا تناكحوهم، ولا تصلوا علیهم ولا تصلوا معهم۔ (المستدرك للحاكم وغیرها)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لیے اصحاب واصہار چن لیے۔ عنقریب ایک قوم آئے گی کہ انہیں بُرا کہے گی اور ان کی شان گھٹائے گی تو تم ان کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ پانی پینا، نہ کھانا کھانا، نہ شادی بیاہ کرنا، نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ ایک اور حدیث نقل کی کہ:

قال رسول الله ﷺ یكون فی آخر الزمان دجالون كذابون یاتونكم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباء كم، فایاكم وایاهم لا یضلونكم ولا یفتنونكم۔ (مقدمۂ مسلم شریف)

ترجمہ: - رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخری زمانہ میں کچھ فریبی جھوٹے پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئیں گے جن کو نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے آباء واجداد نے لہٰذا ان کو اپنے سے دور رکھنا اور ان سے خود دور رہنا کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، یا فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ سلام وکلام سے متعلق یہ حدیث:

قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من سلم علیٰ صاحب بدعة او لقیه بالبشر او استقبله بما یسره فقد استخف بما انزل علیٰ محمد۔ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔ (كنزالعمال، دلائل النبوة للبیهقی)

ترجمہ: - رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کسی بد مذہب کو سلام کرے یا اس سے بکشادہ پیشانی ملے یا ایسی بات کے ساتھ اس سے پیش آئے جس میں اس کا دل خوش ہو تو اس نے اس چیز کی تحقیر کی جو محمد ﷺ پر اتاری گئی۔ (فتاویٰ رضویہ حصہ دوم جلد ۹/ص ۱۹۳)

ان احادیث کریمہ کی روشنی میں میرے جد کریم سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بد مذہبوں کے احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ فرقے اور اسی طرح دیوبندی اور نیچری غرض کہ جو بھی ضروریات دین میں سے کسی شئ کا منکر ہو سب مرتد کافر ہیں۔ ان کے ساتھ کھانا پینا، سلام علیک کرنا، ان کی موت، حیات میں کسی طرح کا کوئی اسلامی برتاؤ کرنا سب حرام ہے۔ نہ ان کی نوکری کرنے کی اجازت نہ انہیں نوکر رکھنے کی اجازت کہ ان سے دور بھاگنے اور انہیں اپنے سے دور رکھنے کا حکم ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۹۵)

فتاویٰ منظر اسلام

ترتیب، تخریج، تحقیق:- حضرت مولانا مفتی محمد احسن رضا قادری، سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

باپ دادا کے ذریعہ نابالغہ کے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہندہ کا نکاح اس کے والد نے اب سے پانچ سال پیشتر عمرو کے ساتھ کر دیا تھا جبکہ ہندہ کی عمر ۱۴؍سال تھی۔ اب سن بلوغ میں ہندہ نے اپنا نکاح فسخ کر دیا۔ آوارہ خیالات میں سرگرداں رہی۔ اب بکر نے اس کی حالت سنبھالنے اور اس کو راہ راست پر لانے کی غرض سے اسے اپنے نکاح میں لیا ہے۔ معلوم کرنا یہ ہے کہ کیا ہندہ اور بکر کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور اب ہم عوام کو ہندہ اور بکر سے رابطہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ ہندہ نے اپنے نکاح کے بارے میں صحیح کیا ہے اور بکر نے بھی۔ کیونکہ ترجمۂ اردو شرح وقایہ کے صفحہ ۱۴؍کی سطر ۶ تا ۸؍ پر ہے کہ ’’آئی ایک عورت طرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے۔ سو کہا تحقیق کہ میرے باپ نے نکاح کیا میرا ایک شخص سے اور میں ناراض ہوں۔ سو فرمایا رسول نے: اس کے باپ کو نہیں نکاح (کا حق) ہے واسطے تیرے۔ جا نکاح کر جس سے چاہے۔

فقط

سائل

عتیق الرحمٰن

مسجد ڈومنی بریلی شریف

الجواب :- باپ یا دادا اپنی نابالغہ لڑکی، پوتی کا نکاح اپنی ولایت سے کر دیں تو وہ نکاح منعقد ولازم ہو جاتا ہے۔ بالغہ ہونے پر اس کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا۔ ہدایہ میں ہے: وان زوجها الاب او الجد فلا خيار لهما اى الحفيد والحفيدة بعد بلوغهما۔ ہاں بالغہ پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر وہ نابالغہ تھی تو باپ کا کیا ہوا نکاح منعقد ہو گیا۔ لڑکی کو بعد بلوغ فسخ کا حق نہیں تھا اور اس کا فسخ باطل ہے۔ بکر کو اس سے نکاح جائز نہیں تھا۔ اس نے جانتے ہوئے یہ نکاح کیا تو یہ نکاح منعقد نہ ہوا۔ دونوں پر فرض ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اور توبہ واستغفار کریں۔ اگر پہلا شوہر طلاق دیدے تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ شرح وقایہ کی عبارت سے وہ کیا سمجھا ہے وہ عبارت پیش کی جاوے۔ وہ عبارت بالغہ عورت کے بارے میں ہوگی۔ اگر ہندہ اور بکر علیحدہ نہ ہوں تو ضرور برادری ان سے میل جول ترک کر دے واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ

قاضی محمد عبد الرحیم بستوی غفرلہ القوی

دارالافتاء منظر اسلام

سوداگران بریلی شریف

۶؍ربیع الآخر ۱۳۹۶ھ

تصوف وطریقت اور خدمتِ خلق

از۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی، دارالقلم دہلی

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح وسجّادہ و دلق نیست

اسلام نے ساری مخلوق کو عیالُ اللہ یعنی اللہ کا کنبہ، قرار دیا ہے۔ اوراس کی نظر میں ساری نسلِ انسانی، حضرت آدم عَلَیہِ السَّلام کی اولاد ہے۔ایک ہی جان سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا ہے اوراپنے کرمِ بے پایاں سے اس نے سبھی انسانوں کو رحم و مروت اور ہمدردی وغم گساری کے جذبات بھی مرحمت فرمادیے ہیں۔ تاکہ وہ ایک دوسرے کے دکھ درد محسوس کرکے مصائب ومشکلات کے وقت ایک دوسرے کے کام بھی آسکیں۔

پیغمبرِ اسلام، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ وصحابہ وتابعین و تبع تابعین رِضوَانُ اللّٰہِ عَلَیہِم اَجمَعِین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، تزکیہ واحسان اور تصوف وطریقت کے علم بردار وہ نفوسِ قدسیہ، جنہیں، تاریخ میں صوفیہ ومشائخ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کی حیات وحالات کا مطالعہ کرتے وقت، قدم قدم پہ، یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اپنی اصلاح اور تبلیغِ اسلام کے ساتھ اپنے اخلاق وکرداراور خلقِ خدا سے محبت وشفقت کے اعلیٰ نمونے اورایسی قابلِ قدر روایات، انہوں نے چھوڑی ہیں کہ ان کے مطابق، صحیح طریقہ سے عمل کیا جائے، تو آج بھی بیمار انسانیت کو شفا، حاصل ہوسکتی ہے اوردرماندہ حال خلقِ خدا کو سکون وراحت کی سانس، میسر آسکتی ہے۔

متحدہ ہندوستان کے اندر،صوفیہ ومشائخِ کرام کے درمیان عطاے رسول، حضرت خواجہ معین الدین حسن، چشتی، اجمیری کی ذاتِ گرامی ایک ممتاز ونمایاں حیثیت کی حامل ہے بلکہ آپ، سرزمینِ متحدہ ہند پہ سرگروہِ اولیا اورسرخیلِ اصفیا ہیں اورآپ کی شانِ غریب نوازی سے ہندو پاک کا بچہ بچہ، واقف ہے۔

آپ کے محبوب خلیفہ، قطب الاسلام، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار، کاکی، چشتی، دہلوی بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے معینُ المِلَّۃِ وَالدِّین، حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی کا یہ ارشاد سنا کہ وہ اپنے پیرومرشد، حضرت خواجہ عثمان، ہارونی، چشتی کے یہ گراں قدر کلمات، نقل فرمارہے تھے:

’’اگر، کسی شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں، توسمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہے۔سخاوت وشفقت اورتواضع۔دریا جیسی سخاوت، آفتاب جیسی شفقت، زمین جیسی تواضع۔‘‘

(دلیل العارفین۔مجلس نہم)

اورحضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دادا پیر، شیخ حاجی شریف زندنی چشتی، نیشاپوری کا یہ واقعہ، پاسِ عہد وپیمان، اعانت وامدادِ فقرا و غُرَبا واسلوبِ دعوت وتبلیغ کا کتنا موثر وحسین مرقع ہے کہ:

’’سات جوان بیٹیوں کا ایک غریب وپریشان حال باپ، ایک دن بارگاہِ شیخ حاجی شریف زندنی میں آکر عرض کرتا ہے کہ میری مشکل

آسان کی جائے۔آپ نے، اسے صبر وشکر کی تلقین کی کہ: آج جتنی تکلیف اٹھاؤ گے ،کل آرام پاؤ گے۔اس نے پھر اپنی لڑکیوں کی شادی کا ذکر کیا۔آپ نے فرمایا: آج جاؤ ،کل آنا۔جب وہ شخص، واپس ہونے لگا ،تو راستہ میں ایک آتش پرست ملا۔اس نے حال پوچھا۔غریب باپ نے اپنی سرگذشت سنائی۔آتش پرست نے کہا: شیخ تو خود ہی، نادار ہیں۔وہ تمہاری کیا، مدد کریں گے؟ جاؤ۔شیخ سے کہو کہ وہ، اگر سات (۷) سال تک میری خدمت گذاری کریں تو میں انہیں، سات ہزار دینار دے سکتا ہوں۔''

وہ غریب پھر واپس آیا اوراس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔حضرت شیخ حاجی شریف زندنی نے سنتے ہی فرمایا:سبحان اللہ!اس سے بہتر کیا ہوگا کہ میری سات (۷) سال کی خدمت گذاری کے بدلے، کسی غریب حاجت مند کی ضرورت پوری ہوجائے۔اس غریب کو ساتھ لے کر، شیخ حاجی شریف زندنی، فوراً، آتش پرست کے پاس پہنچے۔آتش پرست نے قاضیِ شہر کے پاس لے جا کر شیخ سے، خطِ غلامی لکھوالیا اور آپ، معاہدہ کے مطابق آتش پرست کے یہاں، رات کی پاسبانی کرنے لگے۔حاکمِ وقت، حضرت شیخ کا عقیدت مند تھا۔اسے، جیسے ہی اس واقعہ کا علم ہوا سات ہزار دینار اور سات ہزار درہم آپ کی خدمت میں بھیج کر گزارش کی کہ سات ہزار دینار، اس آتش پرست کو دے کر، اس سے نجات، حاصل کریں اور سات ہزار درہم اپنی ضرورت پر خرچ فرمائیں۔شیخ حاجی شریف زندنی نے وہ تمام دینار و درہم، فقرا و حاجت مندوں کے درمیان تقسیم کر دیئے اور فرمایا کہ میں نے، سات سال تک آتش پرست کی خدمت کا، جو عہد کیا، وہ تو مجھے پورا کرنا ہی ہے۔''

آتش پرست کو جب اس کا علم ہوا،تو اس نے شیخ سے کہا کہ آپ نے، اس پیشکش سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟ جس سے آپ اس تکلیف سے بچ جاتے۔'' شیخ حاجی شریف زندنی نے جواب دیا:

''تم ،اس محنت اور تکلیف کی قدر ولذت کیا جانو؟ میرا رب، فقر اور محنت کو پسند کرتا ہے اور میں اپنے رب کو پسند کرتا ہوں اور جس سے وہ راضی ہو، اسی میں میرے لئے راحت ہے۔اللہ، دل جوئی کو پسند کرتا ہے اور دل جوئی کرنے والوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔''

آتش پرست کے دل پر حضرت شیخ کی ان باتوں کا اتنا زیادہ اثر ہوا کہ اس نے اپنی خوشی سے آپ کو، فوراً، آزاد کر دیا اور کہا کہ'' جایئے اور دل جمعی کے ساتھ اپنے رب کے کاموں میں مصروف رہیے اور اس کی رضامندی، حاصل کیجیے۔''

شیخ حاجی شریف زندانی نے، یہ سن کر، اس آتش پرست سے فرمایا:

''جب تم نے مجھے آزاد کر دیا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں بھی دوزخ کی آگ سے آزاد فرمادے گا''۔

آتش پرست نے جب دوزخ کی آگ سے آزادی کی خوش خبری سنی تو اُس کا دل، اسلام کی طرف اتنا مائل ہوا کہ وہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر سچے دل سے مسلمان ہوگیا اور حضرت شیخ کی تعلیم وتربیت وفیضِ صحبت سے کچھ ہی دنوں بعد، شیخِ کامل ہوگیا۔

(سیر الاقطاب)

خلقِ خدا کی حاجت روائی کے بارے میں حضرت خواجہ

معین الدین چشتی، اجمیری کے مندرجہ ذیل ارشاد سے درویشی کے اسرار کھلتے ہیں:

''درویشی، اس بات کا نام ہے کہ اس کے پاس جو شخص آئے، اسے، محروم نہ کیا جائے۔ اگر بھوکا ہے، تو کھانا کھلایا جائے۔ ننگا ہے، تو نفیس کپڑا پہنایا جائے۔ کسی شکل میں اسے خالی نہیں واپس کرنا چاہیے۔ اس کا حال پوچھ کر، اس کی دل جوئی کرنی چاہیے۔''

(دلیل العارفین)

حضرت خواجہ معین الدین حسن، چشتی کے دل کے اندر بچپن ہی سے محبت و ہمدردی اور غریب نوازی کا جذبہ، موجزن تھا۔ شیر خوارگی کے وقت بھی آپ کی عجیب شان تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ دودھ پینے کے زمانے میں بھی آپ کا یہ حال تھا کہ جب کوئی عورت اپنے شیر خوار بچہ کے ساتھ آپ کے یہاں آتی اور دودھ کے لئے اس کا بچہ، جب رونے لگتا، تو آپ فوراً، اپنی مادرِ مہربان کو اشارہ کرتے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا کہ آپ اپنا دودھ، اس بچے کو پلائیں۔ آپ کی والدۂ محترمہ، یہ اشارہ سمجھ کر، اس بچے کو دودھ پلا دیتیں۔ جب بچہ، دودھ پینے لگتا، تو آپ بہت خوش ہوتے اور تبسم فرمانے لگتے۔

آپ کے بچپن ہی کا ایک واقعہ ہے۔ اچھے کپڑوں میں ملبوس ہو کر آپ، نماز پڑھنے عید گاہ جا رہے تھے۔ راستہ میں دیکھا کہ ایک اندھا بچہ، پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ آپ کو یہ دیکھ کر بڑا دُکھ ہوا۔ دل بے چین ہو گیا اور فوراً، اپنے کپڑے اُتار کر اُسے پیش کر دیئے۔ اس کے بعد اسے ساتھ لے کر عید گاہ پہنچے اور اس کی ہر طرح، دل جوئی و خاطر داری کی۔

پندرہ (۱۵) سال کی عمر میں جب ایک بزرگ، شیخ ابراہیم قندوزی کے فیضان اور نگاہِ کیمیا اثر سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے اندر روحانی انقلاب، پیدا ہوا تو آپ نے اپنا باغ اور پَن چکی جو آپ کا ذریعۂ معاش تھا، اسے بھی فروخت کر دیا اور باغ و پَن چکی سے حاصل شدہ ساری رقم، غُرَبا و فُقرا و مساکین اور محتاجوں کے درمیان، تقسیم فرما دی۔

ایک بار، ایک شخص، غصہ کی حالت میں آیا اور آپ کے ایک مرید کو پکڑ کر سختی کے ساتھ اپنے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ آپ نے، اسے نرمی سے سمجھایا کہ جہاں اتنا صبر کیا ہے، کچھ دن کا، اسے اور موقع دے دو۔ یہ تمہارا قرض، ادا کر دے گا۔ مگر، وہ شخص اور اکڑنے لگا۔ آخر آپ کو بھی جلال آ گیا اور آپ نے اپنی چادر، زمین پر بچھا دی۔ جو اچانک، دینار و درہم سے بھر گئی۔ اس سے آپ نے فرمایا: اپنی رقم لے لو۔ اس نے اصل رقم سے کچھ زیادہ لینا چاہا، تو اس کا ہاتھ، خشک ہو گیا۔ وہ رونے گڑگڑانے لگا۔ آپ نے اس کی خطا، معاف کی اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس کے لئے دعا کی۔ تو اس کا ہاتھ، صحیح ہو گیا۔ اور وہ آپ کا عقیدت مند و خدمت گذار بن گیا۔

(روایتِ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار، کاکی۔ **سیر الاقطاب)**

ایک شخص آپ پر حملہ کی نیت سے آپ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ عرصہ سے قدم بوسی کی تمنا تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج یہ عظیم سعادت، میسر آئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جس نیت سے آئے ہو، اپنا کام کرو۔ وہ شخص یہ سن کر اتنا خوف زدہ ہوا کہ لرزنے لگا اور زمین پر گر کر عاجزی سے عرض کرنے لگا:

''حضور! مجھے فلاں شخص نے آپ کو قتل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

حالاں کہ میری ایسی کوئی نیت نہیں تھی''۔

یہ کہہ کر، اس نے اپنے بغل سے خنجر نکالا اور آپ کے سامنے رکھ دیا۔

آپ نے، اس سے فرمایا:

''کسی کا نام نہ لو اور نہ اس کا راز، ظاہر کرو۔''

اس نے قدموں پر سر رکھ دیا اور کہنے لگا:

''میں، سزا کا مستحق ہوں۔ آپ حکم دیجیے کہ لوگ مجھے مار ڈالیں''۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے عزیز! ہمارا شیوہ، یہ ہے کہ ہمارے ساتھ، جو شخص، برائی سے پیش آتا ہے، اس کے ساتھ ہم، بھلائی سے پیش آتے ہیں۔ اور تم نے تو اپنی طرف سے کوئی برائی بھی نہیں کی۔''

یہ کہہ کر آپ نے اس کا سر اٹھا کر، اس کے لئے دعا کی۔ اس کا دل، بدل گیا اور وہ آپ کا عقیدت مند خادم بن گیا۔ اس نے پینتالیس (۴۵) حج کیے اور مکہ مکرّمہ میں اس کا وصال ہوا۔

(سیر الاقطاب)

ایک مظلوم ماں، روتی بلکتی، بارگاہِ حضرت خواجہ معین الدین حَسَن، چشتی میں حاضر ہوئی۔ آپ، اُس وقت، وضو فرما رہے تھے۔ عورت نے کہنا، شروع کیا: خدا کے واسطے، میری فریاد سنیے! حاکمِ شہر نے ناحق میرے لڑکے کو پھانسی دے دی ہے۔ آپ نے، اس کی فریاد، غور سے سنی۔ جب، یقین ہو گیا کہ عورت کا بیان، صحیح ہے، تو آپ نے اپنا عصا ہاتھ میں لیا۔ اور خُدّام و مریدین کو ساتھ لے کر سیدھے مقتول لڑکے کے پاس پہنچے۔

اور عصا سے اس کی گردن کو چھوتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اے مظلوم! اگر تجھے بے قصور مارا گیا ہے، تو اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا اور پھانسی کے پھندے سے اُتر کر نیچے آ جا۔''

ان الفاظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ وہ مقتول، زندہ و سلامت، پھانسی کے تختہ سے نیچے اتر آیا اور فوراً، آپ کے قدموں پر گر گیا اور کچھ دیر بعد، ماں بیٹے، دونوں، خوش و خرم اپنے گھر واپس چلے گئے۔

(سیر الاقطاب)

ایک کسان کے کھیت کی پیداوار، حاکمِ شہر نے ضبط کر لی اور کہا کہ شاہی فرمان کے بغیر، تمہیں اس میں سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔ وہ کسان وفریاد رسی اور مدد، طلب کرنے کے لئے بارگاہِ حضرت خواجہ معین الدین چشتی میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر حضور اپنے خلیفہ، قطب الدین بختیار، کا کی کو، سفارشی خط لکھ دیں تو یہ پریشانی، ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ آپ نے کچھ سوچ کر، ارشاد فرمایا:

''اگر چہ، سفارش سے تمہارا مقصد، آسانی سے حل ہو جائے گا مگر، اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام کے لئے مجھے متعین کر دیا ہے، اس لئے تم میرے ساتھ، دہلی چلو''۔

راستہ میں ایک مسافر کو، آپ کی اچانک روانگی کا علم ہوا۔ تو اس نے فوراً، دہلی پہنچ کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کو، آگاہ کر دیا۔ حضرت قطب صاحب نے سلطان شمس الدین التمش کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دی۔ اس نے، دہلی میں آپ کا شاہانہ اور شاندار استقبال کیا۔ حضرت قطب صاحب نے تشریف آوری کا سبب پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

''اس کسان کے کام سے دہلی آنا ہوا''۔

انہوں نے عرض کیا کہ یہ کام، تو یہاں کے خُدّام بھی کر دیتے۔ اس کے لئے حضور کو تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین، چشتی نے ارشاد فرمایا:

"یہ کسان میرے پاس آیا، تو بہت رنجیدہ تھا۔ میں نے مراقبہ کر کے دربارِ خداوندی میں، اس کے لئے عرض کیا، تو غیبی حکم ملا کہ رنج و غم میں شریک ہونا، عین بندگی ہے۔ پس! میں بہ سبب بندگیِ حق، یہاں آیا ہوں"۔

حضرت خواجہ قطب صاحب نے عرض و معروض کے بعد خود، سلطان، شمس الدین التمش کے پاس جاکر کسان کا معاملہ، کسان کے حق میں طے کرایا۔

انسان دوستی اور شانِ غریب نوازی کا جلوہ، حضرت خواجہ غریب نواز چشتی اجمیری کی مندرجہ ذیل تعلیم و ہدایت میں بھی ملتا ہے:

"مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد سننا، ان کا ساتھ دینا، حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، اسیروں کو قید سے چھڑانا، یہ باتیں، اللہ کے نزدیک، بڑا مرتبہ رکھتی ہیں۔"

اپنے لئے دنیاوی مال و متاع کے سلسلہ میں حضرت خواجہ غریب نواز و دیگر صوفیہ و مشائخ کا جو مسلک تھا، وہ، شیخ الاسلام، حضرت بابا فریدالدین مسعود، گنج شکر، چشتی خلیفۂ حضرت قطب الدین بختیار، کاکی، چشتی، دہلوی کے اِس خیال سے، ظاہر ہوتا ہے:

"زکوٰۃ، تین طرح کی ہوتی ہے۔ زکوٰۃِ شریعت، زکوٰۃِ طریقت، زکوٰۃِ حقیقت۔

زکوٰۃِ طریقت یہ ہے کہ:

دوسو درہم اپنے پاس رکھے جائیں اور بقیہ سب، خدا کی راہ میں خرچ کر دیئے جائیں۔

زکوٰۃِ حقیقت یہ ہے کہ، سب کا سب، راہِ خدا میں دے دیا جائے۔ اور اپنے پاس، اللہ و رسول کے سوا، کچھ بھی نہ رکھا جائے۔

(سیر الاقطاب)

اور دوسروں کے تعلق سے، ان نفوسِ قدسیہ کا یہ شیوہ تھا کہ:

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار، کاکی، چشتی، دہلوی اپنے مرشدِ طریقت و حقیقت، عطائے رسول، سلطان الہند، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، اجمیری کے بارے میں اپنا یہ تجربہ و مشاہدہ، بیان کرتے ہیں کہ:

"میں نے مدت تک آپ کی خدمت کی، مگر، کسی سائل، یا فقیر کو کبھی، آپ کے در سے محروم جاتے، نہیں دیکھا۔"

(مَسالِکُ السّالِکین)

آج بھی سیدی سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان غریب نوازی سے عقیدت مند سرشار ہو رہے ہیں۔ آپ کا آستانہ صوفیائے کرام، خانقاہی حضرات اور اہل طریقت کے لیے ہدایت و رہنمائی کا ایک اہم مرکز ہے۔ پیار و محبت، اتحاد و بھائی چارہ، خدمت خلق، انسانیت نوازی اور امن آشتی کی تعلیم کا ایک اہم روحانی دانش کدہ ہے جہاں بلا تفریق مذہب و ملت دنیا کے خطہ خطہ سے لوگ آکر روحانی سکون حاصل کرتے ہیں اور دنیا والوں کو پیار و محبت اور امن آشتی کا پیغام دیتے ہیں۔ **صدیوں بعد آج بھی آپ کے فیضانِ عام اور شانِ غریب نوازی کا یہ حال ہے کہ**

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی، محروم نہیں، مانگنے والا تیرا

(برادر اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا، حسنؔ، بریلوی)

مرتبہ اجتہاد کا تعین اور اس کی مشکلات

از: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، علامہ مفتی محمد ارسلان رضا خان قادری، رضوی دارالافتاء مرکز اہل سنت بریلی شریف

بمبئی سے ایک صاحب کا مسلسل تقاضا اور اصرار ہے کہ سرکار اعلیٰ حضرت کے درجہ فقہ و اجتہاد کا تعین مع دلائل تحریر کر دوں، حالانکہ مجھ جیسا کم علم اس موضوع پر کیا لکھ سکتا ہے، اس پر تو فی زمانا بڑے بڑوں کو قلم اٹھانے کی ہمت و جرات ہی نہیں ہونی چاہئے۔

فقہا کی یہ معروف و مشہور تقسیم اور درجہ بندی سب سے پہلے علامہ ابن کمال پاشا رومی (ت ۹۴۰ھ) نے فرمائی تھی، پھر جس نے لیا انہی سے لیا اور بعد والوں میں علما کی ایک بڑی جماعت نے ان کی اتباع کی، مگر بعض محققین کو ابھی اس تقسیم اور بالخصوص اس درجہ بندی میں ہی انتہائی مضبوط دلائل کے ساتھ اختلاف ہے۔

چودھویں صدی ہجری کے حنفی عالم، مفتی الدیار المصریہ علامہ محمد بخیت المطیعی مالکی ثم حنفی (۱۲۷۱ھ-۱۳۵۴ھ) (ہم عصر اعلیٰ حضرت) نے اپنی تصنیف لطیف ''ارشاد اھل الملة الی اثبات الاھلة'' کے خاتمے میں طبقات فقہا اور ان کی درجہ بندی پر سیر حاصل تنقید فرمائی ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ طبقات اور تقسیم اور فقہا کی یہ تعیین ظنی اور اجتہادی نوعیت کی ہے، کسی بھی فقیہ کو کم درجے پر درج کر دینا اور کسی کو اعلیٰ درجے پر، یہ تقسیم اور حد بندی کوئی مقطوع یا غیر مبدل نہیں بلکہ علما و فقہا کو اس میں دلائل قاہرہ کے ساتھ کافی اختلاف ہے۔

لہٰذا مناسب معلوم دیتا ہے کہ پہلے اس تقسیم اور درجہ بندی پر علامہ بخیت المطیعی کی جو تنقیدات و تعرضات ہیں، اس میں سے کچھ ملخص کر کے یہاں نقل کر دوں، (اور جسے تفصیل درکار ہو وہ ان کی مذکورہ کتاب کا خاتمہ از ص: ۳۶۲ تا ص: ۳۷۰، ملاحظہ کرے) پھر اپنے مدعا پر آوں تا کہ قارئین کرام اندازہ لگا سکیں کہ جب پہلے والوں کا اپنے متقدمین کی درجہ بندی کرنا اس قدر مشکل امر ہے اور اس پر قوی ایرادات و اعتراضات وارد ہوئے ہیں، تو بعد والے ناقلین محض کو کسی بڑے فقیہ و مجدد کا درجہ متعین کرنا کس قدر مشکل اور دشوار گزار ہوگا۔

علامہ بخیت المطیعی اس تقسیم پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''و قد ذكره التميمي في طبقاته بحروفه ثم قال و هو تقسيم حسن جدا مع انه بعيد جدا عن الصحة فضلا عن الحسن فانه تحكم محض و لا سلف له في هذه الدعوى و ان تابعه عليها من جاء بعده ممن حذا حذوه من غير دليل يدل على ذلک و على فرض تسليم ان الفقهاء و المتفقهة على هذه المراتب السبع لا نسلم الخطا الفاحش الذي وقع في تعيين رجال الطبقات و ترتيبهم على هذه الدرجات۔'' (ص: ۳۶۵)

(علامہ تمیمی نے اس تقسیم کو بہت اچھی تقسیم بتایا ہے باوجودیکہ وہ صحت سے بہت دور ہے چہ جائے کہ اچھی ہو (چہ جائے کہ بہت اچھی) اس لئے کہ یہ تقسیم مجرد تصرف ہے اور اسلاف سے اس دعوے پر کوئی دلیل

نہیں اگر چہ بعد والوں نے بغیر دلیل اس پر ان کی اتباع و پیروی کی ہے اور بالفرض اگر فقہا کے ان سات مراتب پر منقسم ہونے کو ہم صحیح مان بھی لیں، تاہم رجال طبقات کی اس تعیین اور ان درجات پر ان کی ترتیب میں ان سے جو کھلی غلطی ہوئی ہے، اس کو ہم ہرگز قبول نہیں کرتے۔)

پھر آگے چل کر رقم طراز ہیں کہ

''علامہ ابن کمال پاشا نے ایک جانب تو امام رازی بصاص کو طبقات فقہا میں چوتھے درجے یعنی اصحاب تخریج میں درج کیا اور یہ درجہ ان مقلدین کا ہے جو اجتہاد پر اصلاً قدرت نہیں رکھتے، علامہ مطیعی کے بقول یہ امام رازی کے ارفع و اعلیٰ مقام کو گھٹانا ہے،''**فان شانه فی العلم جلیل و باعه ممتد فی الفقه و کعبه عال فی الاصول و قدمه فیها راسخ و وطئته شدیدة و بطشه قوی فی معارک النظر و الاستدلال**''(ص:۳۷۳)

وہیں دوسری جانب انہوں نے امام شمس الائمہ حلوانی کو تیسرے درجے یعنی مجتہد فی المسائل قرار دیا، جبکہ یہی امام شمس الائمہ حلوانی مجتہد فی المسائل، امام رازی کے بارے میں فرماتے ہیں:

''**هو رجل کبیر معروف فی العلم و انا نقلده و ناخذ بقوله .اه**''

تو گویا ایک مجتہد (امام حلوانی) ایک مقلد (امام رازی) کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ ہم ان کی تقلید کرتے ہیں اور ان کی آراء و اقوال سے استدلال کرتے ہیں تو صغری، کبری فٹ کر کے نتیجہ یہ نکلا کہ مجتہد مقلد کی تقلید کرتا ہے یا اس کے اقوال سے استدلال کرتا ہے اور یہ باطل ہے۔

صرف امام شمس الائمہ ہی کی بات نہیں بلکہ کشف کبیر میں امام رازی کے بارے میں وہ بات کہی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام رازی، امام ابو منصور ماتریدی سے زیادہ بڑے فقیہ تھے۔

نیز یہ کہ امام قاضی خان (جنہیں مجتہد فی المسائل کہا گیا ہے) باب توکیل بالخصومہ میں فرماتے ہیں:

''**یجوز للمراة المخدرة ان توکل و هی التی لم تخالط الرجال بکرا کانت او ثیبا ،کذا ذکره ابوبکر الرازی و عامة المشائخ اخذوا بما ذکره ابو بکر الرازی رحمه الله**''.

اور ہدایہ میں ہے:

''**و لو وکلت المراة المخدرة قال الرازی یلزم التوکیل منها**''.

پھر آگے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''**و هذا شئی استحبه المتأخرون**''.

امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

''**هو الامام الکبیر ابو بکر الجصاص احمد ابن علی الرازی ، یعنی اما علی ظاهر اطلاق الاصل و غیره عن ابی حنیفةرحمه الله ، انه لا فرق بین البکر و الثیب و المخدرة و البرز ة، و الفتوی علی ما اختاروه من ذلک**''.

آگے صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ

امام رازی کا ''**مراة مخدره**'' کی تخصیص فرمانا پھر متاخرین کا (ان کی تخصیص کی بنیاد پر) تعمیم کرنا، اس بات کا افادہ کر رہا ہے کہ اس مسئلہ کی سب سے پہلے تفریع امام رازی نے فرمائی تھی، باقی سب نے بعد میں انہی کا اتباع کیا۔ (فتح القدیر)

مذکورہ بالا عبارات فقہا کو نقل کرنے کے بعد علامہ مطیعی فرماتے ہیں:

قارئین کرام غور فرمائیں علامہ ابن کمال پاشا، امام قاضی خان کو مجتہد فی المسائل کہتے ہیں، اور جنہیں وہ مجتہد فی المسائل کہہ رہے ہیں، وہ اوران کے مشایخ عظام، ان امام ابوبکر رازی کے قول کو اخذ کرتے ہیں جنہیں بقول ابن کمال پاشا اجتہاد پر اصلاً قدرت نہیں، حالانکہ امام رازی ہی نے سب سے پہلے اپنے اجتہاد سے برخلاف امام اعظم وامام ابو یوسف ومحمد وزفر رحمھم اللہ، اس قول کی یوں تفریع کی اور بعد میں متاخرین نے ان کا اتباع بھی کیا اوران کے قول پر فتوی بھی دیا۔

”و الیک نصه حیث قال :فانظر الی ابن کمال باشا کیف عد قاضی خان من المجتهدین فی المسائل و انظر الی قاضی خان کیف یاخذ هو و مشائخه العظام بقول ابی بکر الرازی الذی جعله ابن کمال باشا مقلدا لا یقدر علی الاجتهاد اصلا و هو الذی ابتدا بتفریع هذا القول علی خلاف قول ابی حنیفة،و ابی یوسف و محمد و زفر رحمهم الله و تبعه المتاخرون و افتوا بقوله و آراء ه“. (ص:۴۷، ۴۸)

علامہ مطیعی کہتے ہیں: شاید کہ علامہ ابن کمال پاشا نے ہمارے علما کے قول:”کذا فی تخریج الرازی“ سے یہ سمجھ لیا کہ امام رازی کا کام محض تخریج ہے، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ اوران کے اصحاب و تلامذہ نے خود تکبیرات عیدین کے متعلق قول سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کی یہ تخریج فرمائی کہ اس عدد پر اسے محمول کر کے وہ تیرہ تکبیرات ہوئیں مگر تکبیرات اصلیہ کے اضافہ کے ساتھ، یوں ہی امام شافعی اوران کے اصحاب وتلامذہ نے محض زوائد پر محمول کر کے اس کی تخریج فرمائی ہے، اسی طرح امام ابوالحسن کرخی نے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمھما اللہ تعالیٰ کے تعدیل رکوع وسجود کے بارے میں قول کی تخریج کی ہے اور اسے واجب قرار دیا، اور ابو عبداللہ جرجانی نے بھی اس قول کی تخریج کی اور اسے سنیت پر محمول کیا۔ تو تخریجات کی ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو ائمہ مجتہدین سے واقع و صادر ہوئی ہیں اور وہ ان کے اجتہاد میں قطعاً مضر نہیں، لہٰذا امام ابوبکر رازی کا تخریج فرمانا انہیں ان کے مرتبے سے نہیں گرا سکتا۔

(مذکورہ بالا تنقید طبقہ ثالثہ ورابعہ کے متعلق تھی، ذیل میں اب طبقہ خامسہ وسادسہ پر تنقید ملاحظہ ہو)

علامہ ابن کمال پاشا نے امام ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ کو طبقہ خامسہ وسادسہ میں درج کیا اور امام قاضی خان کو مجتہدین میں سے قرار دیا ہے، جبکہ امام قدوری کا وصال ۴۲۸ھ میں ہوا، اور امام حلوانی کا ۴۵۶ھ میں، امام سرخسی کا ۴۹۰ھ کے حدود میں، اور امام بزدوی کا ۴۸۲ھ میں، اور امام قاضی خان کا ۵۹۳ھ میں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام قدوری از روئے سن کے امام حلوانی، امام سرخسی، امام بزدوی، امام قاضی خان وغیرہ سے متقدم ہیں، یہی نہیں بلکہ وہ ان سب سے از روئے علم وفقہ کے بھی ارفع واعلی ہیں، تو کیوں کر انہیں مجتہدین فی المسائل میں شمار نہ کیا گیا؟

مزید یہ کہ صاحب ہدایہ اپنے زمانے میں مشار الیہ اور معقود علیہ (انتہائی معتبر ومستند، اور مرجع ومرکز) تھے، جواہر وغیرہ کتب میں ہے کہ ان کے معاصرین نے بالاتفاق ان کے فضل و تقدم کا اقرار واعتراف کیا، جیسے کہ امام قاضی خان، امام زین الدین عتابی

وغیرہ، اوران سب نے ان کی بابت کہا:

''انه فاق علی اقرانه بل علی شیوخه فی الفقه''

یعنی صاحب ہدایہ اپنے معاصرین سے ارفع واعلیٰ بلکہ اپنے شیوخ پر بھی فوقیت رکھتے تھے،ان کے معاصرین کواس بات کا اذعان ویقین تھا۔

تو آخر کیسے ان کا مرتبہ امام قاضی خان کے مرتبے سے گرایا جا سکتا ہے جبکہ صاحب ہدایہ مجتہد کہے جانے کے زیادہ حقدار ہیں۔

پھر یہ کہ علامہ ابن کمال پاشا نے فرمایا کہ طبقہ خامسہ والوں کا کام بعض روایات کی بعض پر تفضیل کرنا ہے اور طبقہ سادسہ والوں کے بارے میں کہا کہ وہ محض قوی، اقوی اور ضعیف کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔اس سے تو یہ محسوس ومعلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں طبقوں میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔''

(ایضاً ص:۳۷۶، ۳۷۷)

آخر میں علامہ مطیعی ، علامہ ابن کمال پاشا پر یوں تنقید کرتے ہیں:

''ابن کمال پاشا سلطنت عثمانیہ کے مفتی اور عالم جلیل تھے لیکن اکثر انہیں فقہا کے احوال میں اشتباہ ہوجایا کرتا تھا، کبھی وہ ایک ہی فقیہ کو دو اور دو الگ الگ فقیہ کو ایک کہہ دیا کرتے تھے، کبھی مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیتے اور بسا اوقات بہت سی کتب کو ان کے مصنفین کے علاوہ کی طرف منسوب کر دیتے،'' **و العصمة لله وحده ثم لرسوله بعده**''.

آگے کہتے ہیں کہ ہم نے علامہ ابن کمال پاشا کی تقسیم پر تنقید اس اندیشے کے پیش نظر کی کہ کہیں ان کی، کی گئی درجہ وحد بندی کو بعد والے ایک ایسی سرحد نہ سمجھ لیں کہ جس سے تجاوز کو نادرست جانیں، یہاں تک کہ جب ان علمائے کبار کا قول ان کو نقل کیا جائے، جن کا مرتبہ ابن کمال پاشا نے گھٹا دیا، تو یہ کہیں اس سے دھوکے میں نہ پڑ جائیں اور کہتے پھریں کہ فلاں فقیہ، طبقہ مجتہدین فی المسائل سے نہیں (اور ہمارے لئے ان کی بات معتبر نہیں) اس لئے کہ علامہ ابن کمال پاشا نے انہیں مجتہدین سے شمار نہیں کیا۔ حالانکہ بعد والوں میں بہتوں نے ان کی اس تقسیم میں اتباع کیا، جبکہ یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ابن کمال پاشا نے اپنی تقسیم اور درجہ بندی میں فقہائے حنفیہ سے انتہائی اقل قلیل مثالیں پیش کی ہیں، ساتھ ہی جس کا مرتبہ چاہا بڑھا دیا اور جس کا چاہا گھٹا دیا اور ہر ایک کو ان کے صحیح مقام ومرتبے پر نہ رکھا'' انتھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قارئین کرام! غور فرمائیں یہ علامہ بخیت المطیعی کی تقسیم فقہا اور درجہ بندی پر کی گئی تنقید کی چند مثالوں کا خلاصہ ہے، مجھ جیسا قلیل الاستعداد طالب علم ہرگز اس لائق نہیں کہ علامہ ابن کمال پاشا کی تقسیم اور درجہ بندی کو محل نظر یا علامہ مطیعی کی تنقید کو راجح قرار دے سکے، ہاں البتہ اپنے بڑوں سے ان کے مذکورہ بالا قوی اعتراضات کو دفع کرنے کی گزارش اور خواہش ضرور کر سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں اس تنقید کو نقل کر کے ہرگز ہمارا مقصد ان کی تنقید کو مقرر کرنا نہیں، بلکہ اس راہ کی دشواریاں دکھانا مقصد ہے کہ یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں کہ وہ اکابر علما وفقہا کا علم ناپ تول سکے یا اعلیٰ حضرت جیسے جبل علم کا درجہ کمزور دلائل سے متعین کر سکے۔ میری ناقص رائے میں سرکار اعلیٰ حضرت کے درجہ اجتہاد کو متعین کرنے اور اس موضوع پر لکھنے کا حق بھی صرف اسے ہی ہونا چاہئے جو خود بھی ممتاز درجہ کا فقیہ ہو (یا بر تقدیر صحت تقسیم ہذا، علی الاقل اصحاب تمیز کے درجے پر ہو)،

ورنہ ناقلین محض، فقہا کے علم وفضل کا علو کیسے اور کیوں کر ناپ سکتے ہیں۔ع

نقل والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں

بلا شبہ سرکار اعلیٰ حضرت علم وفضل کا کوہ ہمالہ ہیں مگر جس طرح آپ کی مجددیت ہر ایرے غیرے کے اخبار واقرار سے مسلم نہیں ہوئی بلکہ ان کے زمانے کے اکابرین ومعاصرین کے اعتراف واعلان اور بعد والوں کے دعوی مع دلیل سے ہوئی، یوں ہی ان کے لئے کسی درجہ و طبقے کی تعیین یا تو ان کے معاصرین وتلامذہ کرتے یا بعد والوں میں اصحاب تمیز یا محققین مع دلائل کرتے۔

فقیر جیسا قلیل الاطلاع بلا تحقیق اور بغیر کسی سابقہ قول کے، کیسے بتا سکتا ہے کہ کوہ ہمالہ زیادہ بلند ہے کہ کوہ کنچنگا؟ ہمیں اپنی پستی اور دوری سے دونوں ہی بلند نظر آتے ہیں، یہ حق صحیح طور پر اسی کو ہونا چاہئے جسے کسی طرح اس تک رسائی اور اس کی بلندی کی معرفت حاصل ہو سکے، کیونکہ اس سے پہلے بھی جن فقہا کی درجہ بندی علمانے کی ہے وہ خود بھی استعداد ولیاقت اور علمی مقام ومرتبے کے لحاظ سے بہت بلند رتبہ تھے، اسی معروف تقسیم کو ہی لے لیں، یہ تقسیم سب سے پہلے سلطنت عثمانیہ کے مشہور فقیہ احمد ابن سلیمان رومی المعروف ابن کمال پاشا نے فرمائی، (جیسا کہ گزرا) آپ کا علمی رتبہ اتنا بلند تھا کہ حکومت کی جانب سے بالاتفاق آپ کو شیخ الاسلام کا لقب ومنصب عطا ہوا تھا۔

لہٰذا یہاں بھی یہ کام ماوشما قلیل الاطلاع ناقلین محض کا نہیں ہو سکتا، یہ کام وہی ذی استعداد، فقہ واصول فقہ میں ملکہ کاملہ ورسوخ تام رکھنے والا ہی کر سکتا ہے جو اصول وقواعد کی روشنی میں تعیین کر سکے کہ اعلیٰ حضرت سے کتنے ایسے نوادرات وتحقیقات وتنقیحات و تدقیقات وزیادات صادر ہوئے ہیں، جس سے ان کا ایک مخصوص مقام متعین ہوتا ہے۔

جو حضرات علمائے کرام سرکار اعلیٰ حضرت کو مجتہد فی المسائل کہہ رہے ہیں (اگرچہ مجھے اس سے قطعاً اختلاف نہیں لیکن بطور بحث وعلمی مکالمہ عرض کرتا ہوں کہ) وہ حضرات صرف اسی قدر پر بس نہ کریں بلکہ ایک معتد بہ مقدار میں ان مسائل کو نقل فرمائیں جن میں صاحب مذہب سے کوئی قول منقول بھی نہ ہو پھر بھی سرکار اعلیٰ حضرت نے انہی کے قواعد کی روشنی میں ان کا حل پیش فرمایا ہو۔ دو چار مسائل بطور نمونہ پیش کرنا اس لئے بھی ناکافی ہے کہ یوں تو ہر بڑے فقیہ سے اپنے زمانے کے لحاظ سے نو پید وجدید مسائل کا حل اور تحقیق ضرور صادر و واقع ہوئی ہے، بایں ہمہ ان تمام فقہا کو ان چند مسائل کی تحلیل وتنقیح کی بدولت طبقہ مجتہدین فی المسائل میں نہیں شمار کیا گیا، یوں ہی فی زمانناچند مسائل کو بطور نمونہ پیش کر کے اقناعی اعتبار سے سرکار اعلیٰ حضرت کا درجہ متعین نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ جب ہم امام احمد رضا کا مرتبہ امام رازی، امام قدوری، صاحب ہدایہ، صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ وغیرہ سے بھی بلند کہہ رہے ہیں تو اپنی بات کی تائید میں دلائل بھی پھر اسی درجے کے ہونے چاہئے، عقیدت مند تو بلا دلیل بھی مان لے گا مگر غیر عقیدت مند، نا آشنا (بشرطیکہ متعصب نہ ہو) کو منوانے کے لئے دلائل قاہرہ کی ضرورت ہے۔ **ومن ادعی فعلیہ البیان۔**

اس سلسلے میں فقیر کے استاذ گرامی علیہ الرحمہ کا ایک عندیہ بھی بالکلیہ نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں ہے کہ ایک موقع پر آپ

نے دوران بحث فرمایا کہ سرکار اعلیٰ حضرت کی صلاحیت کی طرف نظر کرتے ہوئے حقیقت تو یہی ہے کہ آپ اجتہاد کے درجے پر فائز تھے مگر ادباً اس کا طلاق نہیں کیا جائے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی اس بات میں کافی دم نظر آتا ہے کیوں کہ اگر علامہ ابن کمال پاشا کی اس مشہور تقسیم کو صحیح اور تنقید سے محفوظ مان کر سرکار اعلی حضرت کو ان کی استعداد کی بنیاد پر مجتہد فی المسائل کہا جائے، تو گویا بعبارۃ اخری یہ کہا جا رہا ہے کہ سرکار اعلی حضرت امام قدوری، امام مرغینانی، امام رازی، امام حصکفی وغیرہ سے بہت فائق ہیں، کسی سے ایک درجہ، کسی سے دو درجہ اور کسی سے تین درجے اوپر ہیں، کیوں کہ علامہ ابن کمال پاشا نے امام قدوری، صاحب ہدایہ اور امام رازی کو کوئی درجہ اجتہاد ہی نہیں دیا ہے بلکہ غیر مجتہد مقلد کہا ہے جو صرف تمیز یا ترجیح یا تخریج پر قادر ہیں۔ اس مقام پر سرکار اعلی حضرت کو بلا دلیل ان سے افضل و اعلی کہنا نفس الامر میں کتنا ہی صحیح کیوں نہ ہو مگر ہم جیسوں کا کھلے بندوں اس کا اطلاق کرنا غالبًا ادب کے خلاف بھی ہوگا اور'' یہ منہ اور مسور کی دال'' کے مترادف بھی۔ کیوں کہ سرکار اعلیٰ حضرت خود فتاوی رضویہ میں جا بجا انھی کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، اور صاف فرماتے ہیں کہ

'' ان علینا اتباع ما رجحوہ و ما صححوہ''.

یہاں یہ بات بھی بھلانے کے قابل نہیں کہ کسی کے از روئے زمانہ متقدم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ از روئے علم وفضل بھی متقدم ہو، بے شک فقہا میں تقدم وتاخر زمانی کی قید نہیں کہ فضل الٰہی بہت وسیع ہے، وہ کسی زمان ومکان کے ساتھ نہ مقید ہے نہ اشخاص کے ساتھ مخصوص جیسا کہ فرمان باری تعالی اس طرف اشارہ کرتا ہے:

''و ما نریهم من آیة الا هی اکبر من اختها''.

یعنی اور ہم انہیں جو نشانی دکھاتے ہیں وہ پہلے سے بڑی ہوتی ہے۔ (اس آیت کریمہ کو اس تناظر میں تلاوت کریں کہ بعض نفوس قدسیہ کو بزرگوں نے آیۃ من آیات اللہ قرار دیا ہے جیسے کہ سرکار اعلیٰ حضرت کو علما آیۃ من آیات اللہ اور معجزۃ من معجزات رسول اللہ کہتے ہیں) لہٰذا امام قدوری یا امام رازی وغیرہ کا اعلی حضرت سے محض پہلے زمانے میں ہونا ہی ان کے فضل وتقدم کی دلیل نہیں، تو آخر اعلیٰ حضرت کی ان پر یا ان کی اعلی حضرت پر فضل وتقدم کی دلیل کیا ہوگی؟

تو میرے خیال سے اس پر اطمئنان بخش اور سیر حاصل گفتگو کرنا از حد دشوار ہے، اس پر پیچ وادی کو عبور کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، یہ کام وہی فاضل دقیقہ رس مفتی وفقیہ ہی کر سکتا ہے جس کا علی الاقل باب رضویات میں بالاستیعاب مطالعہ ہو، اعلیٰ حضرت کی تمام تر تحقیقات وتطفلات پیش نگاہ اور مستحضر ہوں، اور نہ صرف اعلیٰ حضرت کی بلکہ جس فقیہ پر بھی فوقیت ثابت کر رہا ہے یا جس درجہ کی بھی وہ تعین کر رہا ہے، اس درجہ پر جو فقہا بالاتفاق فائز ہیں ان کی کتب وتحقیقات کا مطالعہ بھی مکمل ہو اور پھر وہ دونوں کا موازنہ کرا کر یہ ثابت کر سکے کہ فلاں فقیہ کا فلاں درجہ اس لئے متحقق ہوا کہ ان میں یہ یہ خصوصیات تھیں اور بعینہ یہی خصوصیات سرکار اعلیٰ حضرت کے یہاں بھی پائی جاتی ہیں اور کثیر مثالوں سے اپنے دعوے کو مزین وموکد بھی کرے، اس مقام پر دو چار مثالوں سے کام نہیں چلے گا بلکہ مفصلاً مع تنقیح وتحقیق وتدقیق بیان کرنا ہوگا کہ یہ مسائل و احکام اسی نوعیت کے ہیں جو صاحب تحقیق کے اس درجے پر فائز ہونے کی غمازی کر رہے ہیں۔

مثلاً علامہ ابن کمال پاشا کے مطابق امام جصاص، امام طحاوی، امام شمس الائمہ حلوانی اور امام قاضی خان مجتہدین فی المسائل کے درجے پر فائز ہیں، اب سرکار اعلیٰ حضرت کے اس درجے پر تحقق واستحقاق کو ثابت کرنے کے لئے مذکورہ ائمہ کی خصوصیات اور تفقہ کا موازنہ کرانا پڑے گا، تاکہ کوئی اسے محض عقیدت پر مبنی کلام کہہ کر مسترد نہ کردے بلکہ دلائل کی روشنی میں وہ ایک حقیقت بن کر سامنے آئے جس کے آگے ہر انصاف پسند ذی علم اپنا سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائے، اور بات صرف عقیدت مندوں کے مابین ہی مسلم نہ ہو بلکہ غیروں کے ایوان میں بھی اس کی دھوم ہو۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سرکار اعلیٰ حضرت نے جا بجا (گویا) مدعی اجتہاد حضرت علامہ عبدالحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ کے فتاوی پر قاہر اعتراضات قائم فرمائے، ایک مقام پر لاجواب ومسکت اعتراضات قائم فرما کر تواضعا وتعلیما فرمایا: ''وللہ الحمد بایں ہمہ حاشا نہ فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے غلاموں کا ادنی پاسنگ، ان کی خاک نعل کے برابر بھی منہ نہیں رکھتا، نہ معاذ اللہ شرع الہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا ہے۔ اس فتوی اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جہد المقل یعنی ایک بے نوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص: ط امام احمد رضا اکیڈمی)

ملفوظات وفتاوی اعلیٰ حضرت میں جا بجا علامہ عبدالحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ کا رد اسی بنیاد پر ملے گا کہ انہیں ادعائے اجتہاد تھا، وہ کہیں فرماتے: "قال ابو حنیفة کذا و الحق کذا" کہیں کہتے: "استدلوا لابی حنیفة بوجوه و الکل باطل"، اور کہیں یوں گویا ہوتے: "ھھنا وھم آخر لصاحب الکتاب"۔ جبکہ یہی مدعی اجتہاد (علامہ عبدالحی فرنگی محلی)، مدعی تقلید (امام احمد رضا) کی تقلید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی تو انکے دلائل اپنے خانے میں ڈال کر ھذا ما سنح لی فرماتے دکھتے ہیں، اس لطیفہ کو خود سرکار اعلی حضرت کی زبانی سماعت کریں، فرماتے ہیں: ''یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب نے گل سرسبد بنایا اور آخر میں ھذا ما سنح لی فرمایا، یعنی یہ وہ ہے جو اچانک میرے خیال میں آیا۔ مولوی صاحب کی اپنی سعی بازو نہیں بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر غفرلہ کے فتوی سے اخذ کی ہے۔۔۔ (ایضا: ۶۲۷)

پھر کچھ صفحات بعد انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اس دعوی اجتہاد کا رد کرتے ہوئے، اور اجتہاد کے ذروہ شامخہ کی بلندی دکھاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ایسے گراں مایہ اجتہاد پایہ حضرات (مدعیین اجتہاد مثل مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی) کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ کے گدایان در کے غلامان غلام کے خاک پا کے زلہ رباوں کے خوشہ چیں (احمد رضا) سے خلاف کریں تو اپنے لئے دلیل اسی (احمد رضا) سے سیکھیں اور وہ بھی جس روش پر اس نے ادا کی ادا نہ کرسکیں، پھر اس نے جو اس کے جواب دیئے، ان سے عہدہ برآ نہ ہوں، اس کے کلام کے فوائد ومقاصد تک نہ پہنچیں، اکثر سے سکوت کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں، طولانی تقریر فرمائیں جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ والکل باطل کے رنگ میں رنگا ہوا، ایک ایک لفظ ایک ایک حرف ھھنا وھم آخر کا ویرا پڑا ہو۔ یہ امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ نائل العلم من الثریا ابوحنیفہ اور ان کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرر المذہب محمد بن حسن الشیبانی رضی

اللہ تعالیٰ عنھما کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے۔ حاشا مولوی صاحب کی کسر شان نہیں چاہتا، وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرہ قلیل المقدار، اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبی للغربی کا بلا استحقاق محض ان کے فضل سے امیدوار، بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرام کی کرامت عالیہ کا اظہار ہے وبس۔ (ایضاص:۷۶۵)

قارئین کرام! مذکورہ بالا سطور امام کو محض تواضع و مجرد انکساری پر محمول کر کے نظر انداز نہ فرمائیں بلکہ انکی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کریں، نقل کردہ سطور ایک جلیل القدر فرنگی محلی عالم کے رد میں بطور تواضع تھے، اب ذیل میں دوسرے فرنگی محلی عالم کے رد میں بطور تحدیث نعمت کچھ سطور ملاحظہ ہوں:

سرکار اعلیٰ حضرت "الطاری الداری" حصہ سوم صفحہ ۲۱ اور ۲۲ پر پہلے تو صاف فرماتے ہیں کہ نقل محض کا نام کوئی تجدید یا اجتہاد نہیں، فرماتے ہیں: "مسلمین وعلما کے درمیان اہم مسائل پیش کرنے سے اگر یہ مراد کہ علما کی خدمت میں سوال کئے اور مسلمین کے سامنے جواب پیش کر دئے تو یہ کون سی تجدید ہے نہ کہ بڑی نہ کہ بہت بڑی، ایک معمولی لیاقت کا آدمی یہ کام کرسکتا ہے، ضرورت وقت کے مسائل علما سے پوچھے اور مسلمانوں میں شائع کرے اور اگر یہ مقصود کہ نہایت مہم مسائل۔۔۔الخ (حصہ:۳،ص:۲۲)

یعنی محض فتاوی نقل یا شائع کر دینا کوئی تجدیدی یا اجتہادی نوعیت کا کام نہیں ہاں البتہ نہایت مہم مسائل جو آج تک لاینحل پڑے تھے ان کا حل کر دینا ایک تجدیدی اور اجتہادی کارنامہ ہے۔ بعدہٗ سرکار اعلیٰ حضرت اس کا تدارک اور بطور تحدیث نعمت فرماتے ہیں:

"اب اس حقیر فقیر کا فتاوی ملاحظہ کیجئے الحمدللہ، الحمدللہ کتنے کثیر و وافر مسائل پایئے گا کہ مضطر تھے اور میرے مولی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے میرے قلم سے مشرح فرمادئے۔"

یہ خود تسلیم فرمایا کہ نہ صرف دو ایک بلکہ کثیر مسائل بلکہ وافر مقدار میں مسائل مہمہ تھے، جو ان کے زمانے تک پیچیدہ و نامنقح پڑے تھے سرکار اعلیٰ حضرت نے اپنی قوت علم و جودت فہم سے انہیں رنگ تنقیح وتنقید دیا اور علما و مسلمین پر ان جدید مدارک نفیسہ کو ظاہر فرمایا۔ تو کیا یہ خود بطور تحدیث نعمت اپنی تجدید و درجہ اجتہاد کی طرف اشارہ نہ ہوا؟

اس مقام پر اسی وجہ سے برصغیر کے بعض بلکہ اکثر علمائے کرام وفقہائے عظام نے سرکار اعلیٰ حضرت کو مجتہد فی المسائل شمار کیا اور یہی نظر باقوال اکابر و جمہور علما حق وصحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور عموماً عافیت وصحت بھی اکثریت کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے ہم بھی اس باب جمہور محتاطین علما سے اختلاف رائے نہیں کرنا چاہیں گے (اگرچہ ان کے صریح اقوال نہ ملتے ہوں مگر ان کے اقوال سے اشارتاً اور دلالتاً یہی کچھ ثابت ہوتا ہے، مثال کے طور پر سرکار اعلیٰ حضرت کے معاصر عالم وفقیہ، محافظ کتب حرم، علامہ اسمٰعیل مکی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی تحقیقات اور آپ کا رسالہ "کفل الفقیہ الفاھم" دیکھ کر پکار اٹھے تھے:

"لو رای ابو حنیفۃ نعمان لقرت عینہ و جعل مولفہ من جملۃ الاصحاب".

یہ مقام غور ہے کہ انتہائی عظیم وجلیل معاصر عالم فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا کی ان تحقیقات کو امام اعظم ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور امام احمد رضا کو اپنے اصحاب وتلامذہ میں شامل

فرما لیتے، اب غور فرمائیں کہ بہت بعد والے تو سرکار اعلیٰ حضرت کو تیسرے درجے یعنی مجتہد فی المسائل میں شمار کرا رہے ہیں، جبکہ ان کے معاصر جلیل القدر عالم کے قول سے اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ آپ مجتہد فی المذہب تھے، جبھی تو کہا کہ امام اعظم انہیں اپنے تلامذہ واصحاب میں شامل فرما لیتے اور ان کے تلامذہ میں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر وغیرہ رحمھم اللہ ہیں جو مجتہدین فی المذہب ہیں اور اگر ان کے اصحاب کہنے سے مراد بعد کے اصحاب ہیں تو مجتہد فی المسائل کی طرف اشارہ ہوا۔ واللہ تعالی اعلم۔

مگر عرض یہ کرنا ہے کہ ماضی قریب کہ جو بزرگ علما اس حد کو متعین کر سکتے تھے، ان کا تو کوئی صریح قول منقول نہیں، بلکہ ان کے اقوال سے اشارتاً و دلالتاً یہ ثابت ہوتا ہے، تو اب بعد والوں کو محض پہلے والوں کے کلام کو نقل کر کے یا دو ایک مثالیں پیش کر کے موضوع کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنی چاہئے، میرے خیال سے اتنے بڑے درجے کی تعیین میں بطور مثال دو چار چھ مسائل پیش کرنا نہ موضوع کے ساتھ انصاف ہوگا اور نہ یہ طریقہ غیر عقیدت مند کو مطمئن کر سکے گا۔ جہاں سرکار اعلیٰ حضرت فرما رہے ہیں کہ کثیر و وافر مسائل کی تنقیح کی گئی ہے وہاں دو چار مسائل کا ذکر کرنا ناکافی ہے، اسی لئے میں نے شروع میں عرض کیا کہ یہ مقام، مقام تفصیل اور محتاج دلیل ہے اور اس سے انصاف وہی کر سکتا ہے جو بحر تفقہ امام احمد رضا کی گہرائیوں میں اتر کر وافر مقدار میں فقہی جواہر پارے نکال کر لائے اور پھر دعوی مع دلیل کیا جائے کہ سرکار اعلیٰ حضرت مجتہد فی المسائل کے درجے پر فائز تھے۔ ورنہ ع

دعوی بلا دلیل قبول خرد نہیں

مِدحتِ اعلیٰ حضرت

از۔ مولانا سلمان رضا فریدی، مسقط عمان

ہر زباں پر ہے رَواں مِدحتِ اعلیٰ حضرت
واہ کیا شان ہے، کیا شوکتِ اعلیٰ حضرت

اونچے اونچوں کو پتہ اُنکے قدم کا نہ ملا
جانے کس اَوج پہ ہے رفعتِ اعلیٰ حضرت

ہر سطر عشقِ رسالت کی گواہی دے گی
دل کی آنکھوں سے پڑھو سیرتِ اعلیٰ حضرت

چودھویں کا وہ مجدد ہوا بدرِ کامل
ختم ہوگی نہ کبھی طَلعتِ اعلیٰ حضرت

عشقِ سرکار نے ممتاز کیا ہے اُن کو
کون ہے جس سے گھٹے عزتِ اعلیٰ حضرت

بُغض والوں کی نظر اُن کا عُلو کیا سمجھے
عشق والوں سے سنو! عظمتِ اعلیٰ حضرت

جلوۂ نور ہے یا اُن کے قلم کی تحریر
خوشنما چاند ہے یا سیرتِ اعلیٰ حضرت

دشمنِ دیں پہ چلائی جو رضا نے شمشیر
سب اُسے کہنے لگے ''حشمتِ'' اعلیٰ حضرت

اب بھی اُس نام سے لرزاں ہیں وہابی نجدی
کوئی دیکھے تو ذرا ہیبتِ اعلیٰ حضرت

اُس کے ایمان وعقیدے کا گُہر ہے محفوظ
جس مسلماں کو ملی نسبتِ اعلیٰ حضرت

جو ہیں سُنّی اُنھیں سینے سے لگائے رکّھو
اے رضا والو یہ ہے سنتِ اعلیٰ حضرت

دشمنِ حق پہ نہ فرمائی ذرا بھی نرمی
تھی نہ اپنوں پہ کبھی شدتِ اعلیٰ حضرت

جب سے ہاتھوں میں مرے دامنِ اختر آیا
اے فریدؔی ہے مجھے قُربتِ اعلیٰ حضرت

بھارت کا بدلتا منظر نامہ

از۔مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی، روشن مستقبل دہلی، پرنسپل دارالعلوم صدرالافاضل مرادآباد

ان دنوں وطن عزیز میں ہندو قوم پرستی کی آندھیاں زوروں پر ہیں۔طلاق ثلاثہ پر پابندی، بابری مسجد کو قبھانے اور کشمیر کی خصوصی حیثیت کا خاتمہ کرنے کے بعد ہندتو تنظیموں کا جوش اپنی انتہا پر ہے۔مسئلہ حجاب کے بعد مسلم تہذیب وآثار پر ہندوانہ تسلط کی کوششوں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔حجاب کے بعد حلال گوشت پر ہنگامہ، شوبھا یاتراؤں کے بہانے مساجد پر حملے، مسلم آبادیوں میں فساد، گھروں کی مسماری اور اب تازہ تازہ تاریخی مساجد کو مندر قرار دے کر انہیں ختم کرنے کا کھلے عام اعلان کیا جارہا ہے۔پورے ملک میں ایسا ماحول بنادیا گیا ہے جہاں اسلام اور مسلمانوں سے وابستہ کسی بھی چیز کا وجود برداشت نہیں ہے۔

کھیل پرانا ہے: یوں تو آزادی کے بعد ہی ہندو قوم پرستی کے احیا اور مسلم آثار وتہذیب پر ہندوانہ غلبے کی کوششیں شروع ہوگئی تھیں۔دفعہ 341 پر مذہبی قید لگا کر مسلمانوں کے کمزور طبقات کا ریزرویشن ختم کرنا اور بابری مسجد میں مورتیاں رکھ کر نماز پر پابندی اور پوجا شروع کرانا اس کی واضح مثالیں ہیں، لیکن یہ ساری کوششیں ایک تو حکومتی سطح پر خاموشی سے ہوئیں دوسرے اس دور کے لیڈران مسلم دشمنی کے باوجود بہ کمال عیاری خود کو مسلم خیر خواہ دکھانے میں کامیاب رہے، جس کی بنا پر حکومتی بدنیتی پر پردہ پڑا رہا اور عوام کا بڑا طبقہ ان ناانصافیوں کے خلاف اُنہیں کو مددگار سمجھتا رہا۔مسلم دشمنی کے یہ کارنامے اس وقت انجام دئے گیے جب سیکولرزم کے بابائے اعظم جواہر لعل نہرو ملک کے سیاہ وسفید کے مالک تھے۔اب جس شخص کے سیکولرزم پر مولانا آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی جیسے پڑھے لکھے لوگ ایمان لائے ہوئے تھے اور جمعیت جیسی تنظیم ان کے اشارہ ابرو کی منتظر رہتی تھی وہاں عام مسلمان کے لیے نہرو کی پالیسیوں پر سوال اٹھانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔جو طبقہ سوال اٹھا سکتا تھا وہ یا تو یہاں سے ہجرت کر چکا تھا جو رہ گیے تھے وہ بکھرے ہوئے کل پرزوں کو سمیٹنے کی کوشش میں گوشہ نشین ہوچکے تھے۔اس لیے مسلمانان ہند بہ خوشی لٹتے رہے اور لوٹنے والوں کی درازی عمر کی دعا بھی کرتے رہے۔

خطرے کی زد پر تاریخی مساجد: گذشتہ کئی ماہ سے ہندو شر پسند بھارت کی تاریخی مساجد اور مسلمانوں کے تعمیر کردہ اہم سیاحتی مقامات پر تنازع پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔اس تنازع کی ابتدا بنارس میں واقع شاہی عالم گیری مسجد محلّہ گیان واپی سے ہوئی۔مسجد کے متصل ہی ہندوؤں کے بھگوان وشوناتھ کا مندر ہے، اس لیے ہندو تنظیموں کا الزام ہے کہ مذکورہ مسجد مندر توڑ کر بنائی گئی ہے۔اس معاملے کو لیکر کچھ لوگ بنارس سِوِل کورٹ میں گئے جہاں سے مسجد کے سروے کا حکم جاری ہوا۔دوران سروے مسجد کے وضو خانے میں بنے حوض کے فوارے کو ''شِوِ لنگ'' قرار دے کر وضو خانہ

پر پابندی لگا دی گئی۔مسلم فریق نے سپریم کورٹ میں عرضی لگا کر بنارس سول کورٹ میں دایر مقدمے کو خارج کرنے کی مانگ کی لیکن سپریم کورٹ نے کیس خارج کرنے کی بجائے بنارس ضلع جج کی کورٹ میں ریفر کر دیا۔

اس پورے ہنگامے میں یہ بات سب سے زیادہ قابل غور ہے کہ بھارت میں عبادت گاہ قانون 1991(Places of Act, (Special Provisions)Worship 1991) نافذ ہے جس میں اس بات کا التزام ہے کہ 15 اگست 1947 کو جس مذہبی جگہ کی جو حیثیت قائم تھی اسے کسی طور پر تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی کورٹ میں انہیں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔قانون کی اتنی واضح ہدایت کے باوجود بھی ضلعی کچہریوں نے مذکورہ مساجد کے خلاف دایر عرضیوں کو قبول بھی کیا اور سروے کا حکم دے کر شرپسندوں کو نئی ہمت بھی عطا کی، کچہریوں کی اس روش نے شرپسندوں کو اتنا بے لگام کر دیا ہے کہ اب وہ تاج محل، جامع مسجد دہلی اور خواجہ غریب نواز کے مزار پر بھی ہندو مندر ہونے کا دعوی کرنے لگے ہیں۔

مسجد کے نام کی وضاحت: ہندو فریق کا ایک بڑا پروپیگنڈہ یہ بھی ہے کہ مسجد کا نام گیان واپی مسجد ہے۔اسلام میں کسی مسجد کا نام سنسکرت میں نہیں رکھا گیا جس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد اصلاً ایک مندر تھا۔

اس الزام کا جواب یہ ہے کہ مسجد کا اصل نام گیان واپی ہے ہی نہیں، مسجد کا اصل نام ''شاہی عالم گیری مسجد'' ہے۔گیان واپی محلے کا نام ہے، مفتی عبدالباطن نعمانی لکھتے ہیں:

''عام تاثر یہ ہے گیان واپی مسجد ہی کا نام ہے لیکن یہ تاثر غلط ہے''۔

(جامع مسجد گیان واپی تاریخ کے آئینے میں ص3)

اس طرح کے کئی حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد کا نام گیان واپی نہیں ہے اس لیے اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ اپنی تحریر و گفتگو میں مسجد کا نام ''شاہی عالمگیری مسجد محلّہ گیان واپی'' لکھیں اور بولیں تا کہ اغیار کے اس الزام کا جواب بھی ہو جائے اور مسجد کے اصل نام کی تشہیر بھی۔

آگے کیا ہوگا؟: مستقبل کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اس وقت جو حالات بنے ہوئے ہیں اور حکومت کی شہ پر جس طرح کے داؤں پیچ کھیلے جا رہے ہیں اس سے اس بات کا خدشہ بڑھ گیا ہے کہ بابری مسجد کی طرح شاہی عالم گیری مسجد محلّہ گیان واپی بھی شہادت کی زد پر ہے۔جو کھیل بابری مسجد کے ساتھ کھیلا گیا تقریباً وہی کھیل شاہی مسجد کے ساتھ بھی کھیلا جا رہا ہے۔بابری مسجد میں پہلے پہل مورتیاں رکھی گئیں، اسی کی آڑ لیکر ضلع جج نے نماز پڑھنے پر پابندی لگا دی تھی، ٹھیک اسی طرح شاہی مسجد کے فوارے کو شولنگ کہہ کر مسجد کے وضو خانے پر فوری پابندی لگا دی گئی۔وضو خانہ پر پابندی نمازوں پر پابندی کی پیش قدمی ہے، کیوں کہ جیسے ہی سول جج نے وضو خانہ سیل کرنے کا حکم دیا کہ ہندو فریق نے مفروضہ شولنگ پر پوجا کی اجازت دینے کے لیے عرضی دایر کر دی۔بنارس میں فی الحال تو نماز جاری ہے لیکن کب تک جاری رہے گی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔فی الحال مسجد کا انتظام وانصرام دیکھنے والی انجمن انتظامیہ کمیٹی قانونی شاہی مسجد کی جانب سے پیروی کر رہی ہے، لیکن یہ معاملہ صرف

بنارس یا انجمن انتظامیہ کمیٹی کا نہیں ہے بلکہ اس کے دوررس اثرات ہوں گے۔شدت پسند ملک کی دیگر مساجد ومدارس، مقبروں اور خانقاہوں پر بھی ایسے ہی جھوٹے پروپیگنڈے کرنے سے نہیں چوکیں گے۔اس لیے ملت اسلامیہ کو انجمن کمیٹی کی ہر طرح مدد کرنا چاہیے تاکہ شاہی مسجد ہی نہیں بلکہ دیگر مساجد ومقابر کو بھی ایسے فتنوں سے بچایا جاسکے۔

ایک اور بات اچھی طرح سمجھ لیں، بابری مسجد کی طرح اس معاملے پر سیاسی جماعتوں کا آلہ کار نہ بنیں اور نہ ہی انہیں اس قضیہ کا سیاسی فائدہ اٹھانے دیں۔اس معاملہ کو مومنانہ عزیمت کے ساتھ حل کرنے کی جدوجہد کریں۔کسی بھی فرد وادارے کے ساتھ بے جا وفاداری کے اظہار سے گریز کریں،عزت وحقوق خودداری وعزیمت سے ملتے ہیں اطاعت بے جا اور بزدلی سے نہیں۔

بھارت کے اس بدلتے منظرنامے کو مدنظر رکھتے ہوئے اب بہت ضروری ہوگیا ہے کہ ہم اپنی اپنی عبادت گاہوں، دانش کدوں،تہذیب و ثقافتی عمارتوں اور اپنی تاریخ کی حفاظت نیز ہندوستان کی فضا میں گھولی جاچکی نفرت وعناد کے زہر کے خاتمے کے لیے کوئی مضبوط لائحہ عمل تیار کریں۔ہمارا ایک مضبوط قانونی محاذ ہونا چاہیئے جو اس طرح کے معاملات سے نمٹنے کے لیے بروقت حکمت و دانائی کے ساتھ کورٹ کچہریوں میں پیش قدمی کرسکے۔اس سلسلہ میں اہل سنت کے جتنے بھی ادارے اور اہم مراکز ہیں ان سب کو آج سر جوڑ کر بیٹھنے کی ضرورت ہے،اپنے آپسی اور ذاتی مفاد اور اختلافات سے بالاتر ہوکر ہندوستانی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے راستے ہموار کرنا ہمارے دینی، مذہبی،سماجی اور سیاسی قائدین کے لیے نہایت ضروری ہے۔یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ ہماری یہ ساری قیادت وسیادت اسی وقت تک ہے جب تک کہ ہماری قوم کا وجود محفوظ ہے۔اگر قوم ہی نہ ہوگی تو پھر یہ سیادت وقیادت کس پر کی جائے گی؟

افسوس تو اس بات کا ہے کہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے ہیں مگر ہمارے ذمہ داران، ہمارے قائدین، ہمارے رہنما اور ہمارے بڑے لوگ ابھی بھی اپنے عشرت کدوں میں چین کی بنسی بجارہے ہیں۔چند خداترس بزرگ آج بھی ضرور ایسے ہیں جو قوم کی اس حالت پر کڑھ بھی رہے ہیں اور اپنی بے چینی واضطراب کا بھی گاہے بگاہے اظہار کررہے ہیں مگر ان کے ساتھ مجبوری یہ ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے عوام دیگر مضبوط قائدین کے دامن سے وابستہ ہیں اور ان بزرگوں کی آواز کو ایسے دامن ان کے کانوں تک نہیں پہنچنے دے رہے۔یادرکھیں کہ اگر ابھی بھی ہم نے اپنی قوم کو سنبھالا نہ دیا تو مستقبل میں ہماری نئی نسل اپنی گمراہی ،اپنی بربادی،اپنے ارتداد،اپنی بے دینی اور اپنی تباہی کا ذمہ دار آج کے ہمارے قائدین ہی کو قرار دے گی۔آج بھی جب ہم اسپین اور غرناطہ کی تاریخ پڑھتے ہیں تو ہمیں اس دور کے بہت سے اسلامی بادشاہ، کرنل،گورنر، حکام اور وزراء کے شرمناک کردار دکھائی دیتے ہیں جنہیں اس تاریخی مطالعہ کے درمیان ہم بار بار کوستے نظر آتے ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ مستقبل کا مؤرخ بھی ہمیں اسی انداز میں پکارے اور ہمارا کردار اسپین کی اس وقت پائی جانے والی قیادت کے کردار کے مثل قرار دے۔خدارا کچھ کریئے!اب تو یہ آگ آپ کے عشرت کدوں تک پہنچ چکی ہے۔کب تک ہم اپنے عشرت کدوں میں محفوظ و مامون رہ سکتے ہیں۔اللہ ہماری مدد فرمائے۔

حسن نظم اور حسن معنی کی مرقع ہے امدادالقاری

از۔ مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری رضوی، دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ، مئو، رکن المجمع الاسلامی مبارکپور ضلع اعظم گڑھ

''امدادالقاری بشرح صحیح البخاری'' ہم دستہ ہوئی۔ دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ ابتدائی صفحات، تاثرات وتقریظات وتقدیمات اور ابتدا کی چند حدیثیں بالاستعاب دیکھیں اور دیگر صفحات بھی جستہ جستہ۔ عزیز گرامی قدر مولانا محمد عاقل رضوی مصباحی زادك اللـــه علـمـا وفضلا نے بہت اچھی شرح لکھی ہے جو حسن نظم وحسن معانی دونوں کی حامل ہے۔ مع ھذا اختصار بھی ہے۔ میں آپ کو لکھنے والا تھا کہ حدیثوں کو مکمل لیں، مقررات حذف نہ کریں کہ تفصیلات میں یہ بات نظر سے گزری کہ آپ نے خود ہی حدیثوں کے استیعاب کا ارادہ فرمالیا ہے۔ آپ نے اتنی عمر اور قلیل مدت میں درس بخاری کے جتنے دورے کرائے ہیں یہ آپ پر رب کریم کا بڑا فضل ہے اور آپ کا جماعت اہل سنت پر یہ کرم بھی بالائے کرم ہے کہ نہایت حسین پیرائے میں ان دروس تجربات اور مطالعات کو سلک تحریر میں لاکر عام کرنے کا عزم مصمم کرلیا ہے۔ اللہ رب العزت اس کے لیے فرصت و ہمت دے اور تکمیل کے اسباب سے نوازے۔ آپ کی عمر دراز کرے۔ آمین

کتابت وطباعت اور تزئین وتجلید بھی خوب ہے۔ ورنہ بڑی اچھی اچھی تحریریں بدخطی اور بدا شاعتی کی نظر ہوکر رہ جاتی ہیں۔ شیوع ومطالع پر بھی اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ آپ نے اپنے احباب وتلامذہ سے بھی جو کام لیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ اکابر وقت حضرت مفتی محمد صالح اور علامہ محمد احمد مصباحی صاحبان نے بھی اپنی عنایات سے آپ کو نوازا یہ سونے پر سہاگا ہے اور آپ کی بڑی خوش قسمتی۔ اس سے شرح نے مزید درجہ اعتبار حاصل کرلیا ہے۔ ایسی اچھی شرح بخاری کی اشد ضرورت تھی جس میں اساتذہ اور طلبہ کا بھی لحاظ ہے اور عام قارئین، مطالعہ کے شوقین کا بھی۔

حالیہ دنوں میں یہ پہلی کتاب نظر سے گزری ہے جس میں اعراب اور املا کی غلطیاں کالعدم ہیں تاہم جو باتیں قابل توجہ نظر سے گزری ہیں وہ علیحدہ سے لکھ دی ہیں۔ انہیں دیکھ لیں اور ہو سکے تو آئندہ عمل میں لائیں۔

صاحب سجادہ وشہزادہ احسن دامت برکاتہما نے جن حوصلہ افزائیوں سے اور سہلوتوں سے نوازا ہے یہ ان کا بڑا کرم ہے۔ اس سے مرکز اور جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف کی شان میں اضافہ ہوا ہے۔ میری آرزو اوران کرم فرماؤں سے گزارش ہے کہ کار تدریس سے کچھ اور وقت آپ کو عطا ہو جائے تو یہ کار اہم جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے اور جماعت کی کلاہ افتخار میں دو چار چاند اور لگ جائیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ ازمۃ التحقیق۔ مولانا مفتی محمد سلیم صاحب بریلوی کا مقدمہ بہت خوب ہے اور آپ کا پیش لفظ معلومات افزا۔ والسلام

۳/ربیع الآخر ۱۴۴۳ھ

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیٔ محفل کی آگ

علامہ ڈاکٹر شرر مصباحی مبارکپوری کے سانحۂ ارتحال پر ایک تعزیتی تحریر

از۔علامہ فروغ القادری، ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ کے قدیم فرزند، ادارہ کی مجلس شوریٰ کے رکن ،معروف نقاد شاعر ،سابق ریڈر شعبۂ ادویات، طبیہ کالج دہلی حضرت علامہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی مؤرخہ ۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۰؍اپریل بروز اتوار ۲۰۲۲ء فورٹس اسکارٹ ہاسپٹل دہلی میں شدت علالت کے بعد انتقال فرما گئے ۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔علامہ شرر مصباحی کی شخصیت علمی وادبی جہات سے پوری جماعت اہل سنت میں فقید المثال تھی۔ ان کے علمی کارناموں اور تحریری شہ پاروں سے دانش حاضر کے بام و در بہت دیر تک روشن وتابناک رہیں گے۔فن عروض وکلام پر انہیں بے پناہ دسترس حاصل تھی اور اس حوالہ سے وہ اپنے معاصرین میں بے حد ممتاز تھے۔ان کی شاعری اور ایوان علم وفن کی تشکیل میں فلسفۂ حیات سے لے کر مقصود فن تک بہت سارے عوامل کارفرما ہیں۔ان کے کلام میں شعری وفنی محاسن کی ہمہ گیریت اور تنوع قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔رب قدیر نے انہیں قادری الکلامی کے ساتھ ساتھ خود شعوری کے احساس سے بھی نوازا تھا۔ان کے شعری لب و لہجہ میں فلسفہ ،علم عروض اور علم معانی وبیان سے متعلق جدید اصطلاحات نظر آتی ہیں۔علامہ شرر مصباحی اپنے فن میں ڈوب کر ’’سراغ زندگی‘‘ پا جانے والے ارباب فقر وغیور میں تھے۔ان کی سراپا زندگی حد درجہ متنوع ،علم آشنا،فکر انگیز اور انقلابی تحریکات سے آباد تھی۔وہ دعوت وعزیمت کے شاعر تھے۔وہ ’’اسم محمد کے اجالے‘‘ سے اس خطۂ سرسبز کو منور کر دینے کے آرزومند تھے۔ان کی شاعری، ان کی فکر اور ان کا نثری سرمایہ اسلامی اقدار کی ترویج واشاعت کی علامت ہے۔ان کی شعری ونثری کائنات اور حیات علم وادب کی مختلف جہتیں ہیں جس سے انہوں نے باضابطہ اپنے دامن قرطاس و قلم میں اپنی آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کر لیا ہے۔

علامہ ڈاکٹر شرر مصباحی کے فن اور شخصیت کو مختلف حوالوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ان کی خداداد صلاحیتوں، ان کے محتاط رویوں کے التزام کے ساتھ ان کی تنقیدی عبارت اور فکری انعکاس کی حنابندیوں کو عہد حاضر کے ارباب قلم اور باذوق طلبہ درخور اعتنا ضرور سمجھیں گے۔علامہ ڈاکٹر شرر مصباحی کی پوری زندگی متاع لوح وقلم سے مربوط رہی اور وہ مسلسل لکھتے رہے۔ان کے فنی نشو ونما میں ان کے علمی شغف ،کثرت مطالع، شب بیداری، سحر خیزی اور دقت طرازی کا بڑا دخل تھا۔وہ خود کو سوز وساز رومی اور پیچ وتاب رازی کی کشمکش سے دوچار رکھنے والی طبیعت کے حامل تھے۔ان کی ذہنی تحریک، ان کے مزاج کا تجدد، ان کا تہذیب وثقافتی رنگ وآہنگ اور ان کی روحانی تربیت وسیع وعریض جہتوں پر محیط ہے۔وہ درسگاہ

حافظ ملت کے خوشہ چیں اور عربی و فارسی کے ممتاز فاضل تھے۔

انہیں بلاشبہ یہ حق حاصل تھا کہ انہیں علم و فضل کی دنیا میں شعر و ادب، نقد و نظر اور اسلامیات کا بڑا ماہر تسلیم کیا جائے۔ ۶۴ر صفحات پر مشتمل ''حدائق بخشش'' کا فنی و عروضی جائزہ اور سیدی امام احمد رضا محدث بریلوی کے بعض اشعار پر مخالفین کے اعتراضات کا جس علمی پیرائے میں جواب دیا ہے اس کے لیے وہ پوری علمی دنیا سے مبارکبادیوں سے مستحق ہیں۔ ان کے اچانک وصال سے اہل سنت کی صف اول خالی ہوگئی اور ہمیں دور دور تک ان کے اماثل نظر نہیں آتے۔ خودی میں ڈوب کر ضرب کلیمی پیدا کرنے والی برق و شرر سے ہم سب محروم ہوگئے۔

اب کہاں وہ بانکپن وہ شوخیٔ طرز بیاں
آگ تھی کافور، پیری میں جوانی کی نہاں
اب صبا سے کون پوچھے گا سکوت گل کا راز؟
کون سمجھے گا چمن میں نالۂ بلبل کا راز

سیدی مفکر اسلام، خطیب اعظم حضرت علامہ قمر الزماں خاں اعظمی، سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ، حضرت علامہ ڈاکٹر شاہد رضا نعیمی، حضرت علامہ قاری محمد اسمٰعیل مصباحی، حضرت علامہ یزدانی رضا مصباحی، حضرت علامہ مفتی شفیق الرحمٰن عزیزی ہالینڈ، حضرت علامہ ارشاد احمد شیدا مبارکپوری، علامہ محمد ارشد مصباحی، علامہ ابو ہریرہ رضوی، ڈاکٹر وقار الزماں اعظمی، بیرسٹر معین الزماں اعظمی اور ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کے دیگر جملہ قائدین نے علامہ ڈاکٹر شرر مصباحی مبارکپوری اعظمی کے وصال پر اپنے بیانات میں گہرے دکھ اور قلبی رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ مذکورہ علما و قائدین اہل سنت نے اپنے مراکز میں ایصال ثواب کی محفلیں منعقد کیں اور قرآن خوانی کا اجتماع کیا۔

دعا ہے کہ رب قدیر علامہ شرر مصباحی کی بخشش فرمائے، ان کے درجات اخروی کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

☆

تری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی

آہ! علامہ بدر القادری

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کے فکر و فن کے نقیب، حضور حافظ ملت کے تلمیذ رشید، باوقار عالم دین، مغرب میں مشرق کی آبرو، اصناف سخن پر کمال عبور رکھنے والے مایۂ ناز شاعر و ادیب حضرت علامہ بدر القادری مصباحی خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند یہاں ہالینڈ میں ایک طویل علالت کے بعد مؤرخہ ۹ر ستمبر ۲۰۲۱ء/۲ر صفر المظفر ۱۴۴۳ھ بروز جمعرات لندن وقت کے مطابق شام ۷ر بجے انتقال فرماگیے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی

علامہ بدر القادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے فن میں ڈوب کر

سراغ زندگی پا جانے والے ارباب فقر وغیور میں تھے۔ان کی سراپا زندگی حد درجہ متنوع، علم آشنا، فکر انگیز اور انقلابی تحریکات سے آباد تھی۔ان کا نثری سرمایہ مغرب میں طلوع صبح درخشاں کی نوید ہے۔ان کا نغمہ شعر وسخن اپنے قاری کو توہمات اور بے یقینی کے اندھیروں سے نکال کر عزم ویقین کے اجالوں میں کھڑا کرتا ہے۔وہ دعوت وعزیمت کے شاعر تھے۔ان کی دوررس نگاہ نے امروز وفردا کے درمیان پائے جانے والے دبیز پردوں کو چاک کر دیا تھا۔انہیں اس بات کا اہم یقین تھا کہ اکیسویں صدی مغرب میں اسلام کے غلبہ کی صدی ہوگی جو ارباب بست وکشاد مغرب کے فکری، سیاسی اور اعتقادی طاغوت کے آگے سجدہ ریز ہیں۔انہیں بہر کیف لوٹنا ہوگا اس نظام کرم کی طرف جو آقائے دوجہاں، تاجدار کائنات، ارواحنا فداہ لے کر جلوہ گر ہوئے تھے۔جو عالم انسانیت کی فیصلہ کن منزل ہے۔

علامہ بدرالقادری نے اپنے اشعار میں فکر اقبال کی عملی تعبیر پیش کی ہے۔وہ اس بات کے پرجوش حامی تھے کہ جو عشاقان رسول، مجاہدان فرداں اور مردان حر دین وسنت کے حقیقی غلبے کے لیے ملکوتی جواہرات سے آراستہ ہوں گے۔جن کا سودائے عشق رموز بے خودی سے آگاہ ہوگا۔دنیا کی کوئی طاقت انہیں منزل مراد کے حصول سے محروم نہیں کرسکتی۔

میرے نزدیک عصر حاضر کے ارباب قلم میں علامہ بدر القادری ایک منفرد لب ولہجے کے حامل تھے۔ان کی حیات ارضی اور اقوال وافکار کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے ان کے ہی ہم نشینوں میں کسی مزاج آشنا صاحب قلم کی ضرورت ہے۔دیگر علمی شخصیات کی طرح علامہ بدرالقادری کے دبستان فکر ونظر کا بھی ان کی زندگی اور شخصیت سے گہرا ربط وضبط ہے۔ان کی ایک جامع اور مستند سوانح عمری کی تدوین ہماری جماعت کے اصحاب لوح وقلم کے لیے فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔مجھے یقین ہے کہ ارباب علم وفضل اور ''بدرشناس'' علما اس جانب توجہ کریں گے۔علامہ بدرالقادری شاعر مشرق ڈاکٹر سر اقبال کے رنگ وآہنگ میں اصلاحی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار تھے، جس کا اثر عکس در عکس ان کی شاعری پر پھیلا ہوا ہے۔اس حوالہ سے خدام اردو کے حلقہ بگوش اچھی طرح واقف کار ہیں۔

ان کے ذہن کا ہر ترانہ ''بانگ درا'' ان کی زندگی کا ہر لمحہ ''پیام مشرق'' ان کے دل کی ہر آواز ''زبور عجم'' اور ان کے تخیلات کی بلند پروازی ''بال جبرئیل'' تھا۔آج وہ عرش الٰہی کے سایہ میں آسودۂ خواب ہیں۔رب قدیر ان کے مرقد انور پر اپنی رحمتوں کے پھول برسائے اور مغفرت دائمی سے نوازے۔آمین یارب العالمین۔

مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے سپر
زمیں سے تابہ ثریا تمام لات و منات
حریم ذات ہے اس کا نشیمن ابدی
نہ تیرہ خاک لحد ہے، نہ جلوہ گاہ صفات

☆

اسلام اور آداب جنگ

تحریر: حافظ محمد ہاشم قادری جمشید پور

جب سے دنیا قائم ہے تبھی سے جنگ وجدال بھی جاری ہے۔ راجاؤں، بادشاہوں نے اور دنیا کے طاقت ور حکمرانوں نے اپنی اَنا، اپنی طاقت وغرور اور گھمنڈ میں کمزور ملکوں پر اپنے ظلم وجبر کا پنجہ گاڑ رکھا ہے، کمزور ملکوں، وہاں کے باشندوں کی سانسوں تک میں پہرے لگائے ہوئے ہیں۔ پُرانی تاریخ کو چھوڑتا ہوں نئی تاریخ جس کے ہم اور آپ گواہ ہیں اسی کو دیکھیں عراق، لیبیا، سیریا، ویتنام، فلسطین، افغانستان وغیرہ میں امریکہ، روس، فرانس ودیگر دوسرے سپر پاور ملکوں نے کیسے یلغار کی۔ کس طرح سے یہ ظالم وجابر حکمراں (ہٹلر) اپنی طاقت کی بنیاد پر کمزور ملکوں پر ظلم و جبر کا خونی کھیل کھیلتے چلے آرہے ہیں۔

لاکھوں نہیں! جی ہاں جناب لاکھوں نہیں کروڑوں کروڑ کمزور لوگوں بے گناہ انسانوں کی لاشوں کا ڈھیر لگانے والوں نے شہر کے شہر و پورے ملک کو اُجاڑ دیا، انسانی لاشوں کا پہاڑ بنادیا پھر بھی انہیں سکون نہیں، ہر روز جنگ کا ایک نیا میدان تلاش کرتے رہتے ہیں۔

ترقی یافتہ دنیا کے کارنامے: پہلی جنگ عظیم کے جانی نقصانات اور دوسری جنگ عظیم میں انسانوں کی ہلاکت خیزیوں کی لسٹ قارئین کی خدمت میں (مختصراً) پیش ہے۔ ’’واضح رہے کہ ان اعداد وشمار میں قیدی اور زخمی انسانوں کا حساب نہیں جس زمانے میں یہ فہرست شائع کی گئی تھی اس کے بعد بھی سینکڑوں مقامات میں جنگیں ہوئیں اور آج بھی جاری ہیں۔

پہلی جنگ عظیم: (1) روس 17 لاکھ، (2) جرمنی 16 لاکھ، (3) فرانس 13 لاکھ، (4) برطانیہ 7 لاکھ، لمبی فہرست ہے۔ ٹوٹل انسانی جانوں کا ضیاع، تہتر لاکھ بتیس ہزار ہے۔

دوسری جنگ عظیم: (1) روس دو کروڑ دس لاکھ، (2) جرمنی 16 لاکھ، (3) پولینڈ نو لاکھ، (4) چین 30 لاکھ، (5) جاپان پچاس لاکھ، (6) سلاویکیہ تیس لاکھ پچاس ہزار، لمبی فہرست۔ ٹوٹل چار کروڑ 34 لاکھ 43 ہزار۔

(اسلام اور امن عالم، باب: 3 ص 130 سے 133، مصنف: مولانا بدر القادری صاحب ایمسٹرڈم، ہالینڈ)

محض اپنے حصولِ اقتدار، حصولِ دولت اور بے بنیاد پاسداری اور اپنی انا کی خاطر دنیا کو خون وآہن کے الاؤ میں ڈھکیلنے والے ظالم وجابر حکمرانوں نے انسانوں کی آہیں، خونی آنسو، ویرانی، ہلاکت وبربادی کے سوا دنیا کو کیا دیا؟

اسلام میں انسانی خون کا احترام: اسلام نے انسانی جان کے ضیاع کو بدترین جرم قرار دیا ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے لوگوں کے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔ بعض روایات میں ہے سب سے پہلے ’’قتل‘‘ ناحق

کے بارے میں سوال ہوگا۔) دنیا میں اگر انسان زندہ ہے، اس کی جان، عزت، آبرو محفوظ ہے تبھی وہ تعمیر انسانیت کا کام کرسکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسلام نے ساری دنیا کو امن ومحبت کا پیغام دیا ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

مَن قَتَلَ نَفساً بِغَیرِ نَفسٍ أَوْ فَسَادٍ فِیْ الْأَرضِ فَکَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعاً وَمَنْ أَحیَاھَا فَکَأَنَّمَا أَحیَا النَّاسَ جَمِیْعاً۔

ترجمہ: جس نے کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے بدلے کے بغیر کسی شخص کو قتل کردیا تو اس نے گویا کہ سارے انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی ایک جان کو (قتل سے بچا کر) زندہ رکھا اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔ (سورہ مائدۃ:۵، آیت ۳۲)

بنی اسرائیل کو یہ فرمایا گیا اور یہی فرمانِ الٰہی ہمارے لیے بھی ہے کیونکہ گزشتہ امتوں کے جو احکام بغیر تردید کے ہم تک پہنچے ہیں وہ ہمارے لیے بھی ہیں۔ یہ آیت مبارکہ اسلام کی اصل تعلیمات کو واضح کرتی ہے کہ اسلام کس قدر امن وسلامتی کا مذہب ہے اور اسلام کی نظر میں انسانی جان کی کس قدر اہمیت ہے۔

دراصل اس وقت دنیا تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے:

(1) طاقت ور سُپر پاور ملکوں نے اپنے کو دنیا کا بے تاج بادشاہ بنالیا ہے خود کی نظروں میں اپنے کو ہیرو مان رہے ہیں۔

(2) کمزور اور اپنے نظریات پر چلنے والے ممالک جو اپنی کمزوری پر جو بھی سہولیات ہیں اُنہیں پر جی رہے ہیں دوسروں کی دبنگائی سے دبے سہمے اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔

(3) وہ ترقی یافتہ ممالک جو طاقت ور دبنگوں کی دبنگائی کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن وہ دنیا کے ظلم کو دیکھتے سمجھتے ہیں اس کے باوجود نہ انکی مخالفت کرتے ہیں نہ ہی کسی کی مدد کرتے ہیں بلکہ دوغلی پالیسی اختیار کرتے ہوئے یو این اُوuno میں ویٹو پاور Veto Power کا خوب استعمال کرتے ہیں، یا پھر ووٹنگ میں حصہ ہی نہیں لیتے۔ بس چند لفظ ''گول مول'' مظلوم کی حمایت میں بول کر اپنی دوغلی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے خود ہی اپنے ہاتھوں ہی اپنی پیٹھ تھپتھپاتے ہیں جب انسان اپنی غلطیوں کا ''وکیل'' بن جائے اور دوسروں کی غلطیوں کا ''جج'' بن جائے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔

کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ: حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارکہ سے نکلا یہ جملہ ساری دنیا میں مثال بن گیا۔ جس کے معنیٰ ہیں:

''جیسا کروگے ویسا بھگتوگے'' دنیا میں اچھے اعمال کرنے پر دونوں جہاں میں اچھا نتیجہ ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(حدیث بخاری شریف 4474-4474 سنن ابی داؤود 1458)

ایک زمانہ وہ بھی گزرا ہے جب 2003 میں عراق میں صدام حسین کا تختہ پلٹنے کے لیے "یوکرین" نے امریکہ کے ساتھ اپنی فوج عراق بھیجی تھی، جس میں لاکھوں عراقی فوجی اور عام آدمی مارے گئے تھے۔

اور آج وہ زمانہ ہے، جب روس نے "یوکرین" میں تباہی مچا رکھی ہے اور یوکرین امریکہ اور ساری دنیا سے مدد کی بھیک مانگ رہا ہے، پر کوئی مدد بھیجنے کو تیار نہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں ظلم اتنا ہی کرو جتنا سہ سکو۔ پورے یورپ کو پروٹینیم دینے والا ملک "یوکرین" آج روس سے یک طرفہ جوتے کھا رہا ہے کیونکہ کسی بھی مصیبت سے بچانے کا وعدہ کرنے والے امریکہ، برطانیہ، فرانس میں سے کوئی بھی مدد کے

لیے نہیں آرہا ہے، یہی ہوتا ہے جب آپ کے پاس سب کچھ ہو لیکن دفاع کے لیے ایک مضبوط فوج نہ ہو؟۔ یہ سبق ہے نام نہاد اسلامی ملکوں سعودی عرب، دبئی و دیگر ملکوں کے لیے جو امریکہ کے آسرے پر کلبوں میں مدہوش پڑے ہیں۔ اگر "یوکرین" کمزور اور مظلوم ملک ہے تو دنیا کے منافقین شام، لیبیا، عراق، افغانستان اور فلسطین کی مظلومیت کا رونا کیوں نہیں روتے...؟ موجودہ دور میں ایٹمی اور کیمیائی ہتھیاروں کی وجہ سے جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں...؟ اس لیے جنگ جلد سے جلد بند ہونی چاہیے۔

اِسلام میں جنگی قوانین کے اُصول وضوابط

جنگ میں قتل سپاہی ہوں گے
سرخ رُو ظلِّ الٰہی ہوں گے

دنیاوی کہاوت ہے جنگ میں سب جائز ہوتا ہے لیکن مذہب اسلام اس نظریہ کی نفی کرتا ہے، جس جنگ میں تشدد، دہشت اور ظلم شامل ہو اسلام اس کو بالکل مسترد کرتا ہے۔ اسلام کو بدنام بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے یہ سراسر جھوٹ ہے، الزام ہے پروپیگنڈہ ہے۔ اسلام نے اپنے دفاع کے لیے جنگیں لڑی ہیں جنگ کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ رحمتِ عالم ﷺ نے جنگ کے لیے شریفانہ ضوابط بھی مقرر فرمائے ہیں اور اپنے فوجیوں اور کمانڈروں پر ان کی پابندی لازمی قرار دیتے ہوئے کسی حال میں ان سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ قتال کے سلسلے میں رحمۃ للعالمین ﷺ نے جو ہدایات دی ہیں وہ انسانی تاریخ میں منفرد اہمیت کی حامل ہیں، دنیا کی کوئی قوم کوئی تاریخ اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔

(1) نبی کریم ﷺ نے اہل قتال کا فرق واضح کرتے ہوئے فرمایا: ''کہ غیر اہل قتال کو نقصان نہ پہنچایا جائے، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں، گوشہ نشینوں، زاہدوں اور مندروں کے مجاوروں اور پجاریوں کو قتل نہ کیا جائے''۔

(2) رسولِ کریم ﷺ مجاہدین کو رخصت کرتے ہوئے فرماتے: ''کسی بوڑھے، بچے، نابالغ لڑکے، اور عورت کو قتل نہ کرو، اموال غنیمت میں چوری نہ کرو، جنگ میں جو کچھ ہاتھ آجائے سب ایک جگہ جمع کردو، نیکی اور احسان کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔ (سنن ابی داوود، کتاب الجہاد)

ایک حدیث پاک میں ہے کہ'' نبی کریم ﷺ نے کسی غزوے میں ایک مقتول عورت کو دیکھا تو رسول ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔''

(صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب قتل النساء في الحرب، 3: حدیث:2852,1098 مسلم حدیث:1744,1364)

بہت سی حدیث پاک موجود ہیں، قرآن مجید میں واضح احکام موجود ہیں۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف فوجیں روانہ کیں تو ان کو دس، ہدایتیں دی تھیں کہ

(1) کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔

(2) بچے کو قتل نہ کرنا۔

(3) کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا۔

(4) بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔

(5) آبادی کو ویران نہ کرنا۔

(6) بکری اور اونٹ کو زخمی نہ کرنا۔مگر یہ کہ انہیں کھانا ہو۔

(7) شہد کی مکھیوں کو نہ جلانا۔

(8) امانت میں خیانت نہ کرنا۔

(9) اور نہ ان کو بھگانا۔

(10) بزدلی نہ دکھانا۔

ان احکام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جنگ و جہاد کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا جو اس عہد میں جنگ کا ایک غیر منفک جز بنے ہوئے تھے اور ابھی بھی بنے ہوئے ہیں۔ وحشیانہ افعال اور جنگ میں سب جائز ہے کے خلاف جنگ کے اُصول بنا دیئے۔

جتنی جلد ہو جنگ بند ہونا چاہیئے: یہ نئی جنگ انسانیت پر ظلمِ عظیم ہے۔روس نے یوکرین پر پوری قوت سے حملہ کر دیا ہے، یہ ایک دن میں نہیں ہوا مہینوں سے اس کی تیاری ہو رہی تھی۔سرحد پر فوجیں تعینات، بکتر بند گاڑیاں اور جنگی جہازوں کو الرٹ پر رکھنا، دوسرے سپر پاور ملکوں امریکہ، چین، فرانس، جرمنی، برطانیہ وغیرہ کی گیدڑ بھبکیاں، دکھاوے والی وارننگ کچھ نہ کر سکیں اور روس نے اپنے ہی پڑوسی پر حملہ کر دیا۔جدید زمانے میں جدید جنگی ساز و سامان سے جنگ لڑنا انسانی جانوں کا ضیاع اور خون بہانہ بہت آسان ہے۔لیکن بہت افسوس ناک اور تکلیف دہ بھی ہے اسے لکھنے کے لیے میرے پاس لفظ ہی نہیں۔پھر ہمارے ملک کے شہری طلبہ جو وہاں پھنسے ہوئے ہیں ان کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ابتک دو ہندوستانی طلبہ کی جان جا چکی ہے۔کئی کئی کلومیٹر پیدل چل کر دوسرے ملکوں کی سرحدوں میں پہنچے ہیں اُن کا حال سن کر دیکھ کر دل بیٹھا جاتا ہے۔ہمارے ملک میں الیکشن لڑا جا رہا تھا۔صرف ہوا ہوائی میں ان کی مدد کا اعلان ہو رہا تھا۔جو بتایا جا رہا تھا وہ بہت تھا لیکن ان کے لانے کی رفتار بہت دھیمی تھی۔

دشمن اسلام کی دوغلی پالیسی: روس اور یوکرین کی جنگ کا آج سو سے زائد دن ہو گئے امریکہ بہادر اور اس کے اتحادیوں نے پہلے تو یوکرین کو جنگ پر اکسایا، ہر طرح کی مدد کی جھوٹی تسلی دی اور ورغلا کر روس کے خلاف لڑائی کا ماحول بنا دیا اور جب روس نے یوکرین پر جنگ مسلط کر دی تو یہ سارے ''بی جمالو'' دور سے کھڑے ہو کر تماشہ دیکھ رہے ہیں۔معلوم ہونا چاہیے کہ یوکرین بھی 32 ملکوں کے ساتھ عراق میں اپنا ٹینک لیکر مسلمانان عراق کے خلاف امریکہ بہادر کی چمچہ گیری میں جنگ کرنے پہنچ گیا تھا اور عام انسانوں کے قتل عام میں حصہ لیا تھا اور آج جب خود مکافاتِ عمل میں پھنس گیا تو مدد کے کے لیے دنیا سے گہار لگا رہا ہے۔اسلام دشمنوں کی دوغلی پالیسیوں کو بھی دیکھیں کہ جب یہ سب مل کر عراق، افغانستان، لیبیا، سیریا، فلسطین کو تباہ کر رہے تھے تو تمام عالمی ادارے خاموش تھے مگر یوکرین کے لیے زبانی ہی سہی بول نہیں چیخ رہے ہیں۔مظلوم فلسطینیوں اور دیگر ممالک کے مسلمانوں کا خون تو پانی ہے، بس خون کی قیمت تو صرف یورپین اور یہودیوں کے خون کی ہی ہے۔ایک وقت ایسا آئے گا جب قدرت ہر خونِ ناحق کا انتقام لے گی اور اس وقت قادر مطلق کی گرفت سے کوئی نہیں بچ پائے گا۔

جو چپ رہے گی زبان خنجر
لہو پکارے گا آستیں کا

ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ حالات اور دفاعی تدابیر

از۔ مولانا طارق انور مصباحی، مدیر ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

بھارتی مسلمان عجب کشمکش میں مبتلا ہیں۔ دشمنان اسلام مختلف صورتوں میں ان پر حملہ آور ہیں۔ وہ مسلمانوں کی جان و مال، عزت و عصمت تباہ و برباد کررہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی گھر واپسی کے متمنی ہیں کہ جن کے آبا واجداد بت پرست تھے، وہ بت پرستی کو قبول کرلیں۔ مساجد و مدارس، مزارت و مقابر اور اسلامی آثار و مذہبی شعار محفوظ نہیں۔

ان اضطرابی حالات میں بعض متفکرین ایسے نظریات پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی آخرت بھی تباہ و برباد ہوسکتی ہے۔ وہ دین وایمان سے بھی محروم ہوسکتے ہیں۔ انہیں مرتدین وضالین سے سیاسی اتحاد کی ترغیب دی جاتی ہے، حالاں کہ ضالین ومرتدین کی صحبت زہر قاتل ہے۔ صحبت بد کا اثر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ پڑوسی ملک میں اس کے اثرات بد ظاہر ہوچکے۔

بھارت میں میدان جنگ برپا نہیں کہ تمام کلمہ گو طبقات متحد ہوکر مخالفین کا مقابلہ کریں اور اپنی قوت حرب وضرب کا مظاہرہ کریں۔ بھارت ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں قانونی ڈیفنس اور دستوری اصول وقوانین کی روشنی میں دفاع کرنا ہے۔ مرتدین وضالین سے اتحاد کی بجائے بھارت کے مسلمانان اہل سنت و جماعت متحد ہوجائیں۔ ہم آج بھی بھارت میں کثیر التعداد ہیں۔ اسباب اختلاف کو درست کرکے باہمی اختلاف کو رفع دفع کیا جائے۔

بھارتی مسلمانوں پر کانگریسی عہد میں بھی مظالم ہوئے اور بھاجپائی عہد میں ظلم وستم کا سلسلہ جاری ہے، بلکہ انگریزوں کے عہد حکومت میں بھی مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جاتے رہے ہیں۔ ظلم وستم کا سد باب لازم ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں کہ تمام کلمہ گو طبقات متحد ہوجائیں تو ظلم وستم بند ہوجائے گا۔ دراصل بعض لوگ وہابیہ اور دیابنہ سے اتحاد کے واسطے محض حیلے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اگر تمام دلت متحد ہوجائیں تو دلتوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کیسے ختم ہوجائیں گے۔ ظلم وستم کا خاتمہ ڈیفنس سے ہوتا ہے۔ کوئی آپ کو قتل کرنے آئے اور آپ اپنا مضبوط دفاع کرکے دشمن کو پچھاڑ دیں تو دشمن آپ سے خوف محسوس کرے گا، کیوں کہ قاتل کو بھی اپنی جان خطرے میں محسوس ہوگی۔ ظلم وستم کا خاتمہ ڈیفنس سے ہوتا ہے، نہ کہ اہل باطل کے ساتھ اتحاد سے۔ اگر سب لوگ متحد ہوکر بھی ڈیفنس نہ کریں تو ظلم وستم کا سلسلہ جاری رہے گا۔

شرعی ضرورت یا شرعی حاجت کے تحقق کے وقت اہل باطل سے عملی اشتراک کی اجازت ہوتی ہے۔ موجودہ مظالم کے ڈیفنس کے لیے بڑے شہروں میں ''امن کمیٹی'' قائم کی جائے، نیز بھارت میں کلمہ گو طبقات کی متعدد کمیٹیاں ہیں جو ڈیفنس اور قانونی کاروائی کی خدمت سرانجام دیتی ہیں۔ ان کمیٹیوں کو اخلاص وہوش مندی سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ بھارت ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں

بھارتی قانون کی روشنی میں ڈیفنس کرنا ہوگا۔ ڈیفنس کرنے والی جماعت اور کمیٹی کو اپنے اندر مضبوطی پیدا کرنی ہوگی۔تمام کلمہ گو عوام وخواص مل جل کر کچھ نہیں کر سکتے۔ یہاں کوئی میدان حرب وضرب نہیں کہ سب مل جل کر وہاں اکٹھا ہوں اور اپنی قوت وطاقت سے کچھ کر سکیں۔مسلمانوں کو اپنے ڈیفنس کے لیے جو کچھ بھی کرنا ہے،اس کے لیے انہیں عدلیہ،انتظامیہ اور اہل حکومت کے پاس جانا ہوگا۔

اگر تمام کلمہ گو طبقات کی مشترکہ تنظیم کی ضرورت بھی ہو تو دو مشترکہ کمیٹیاں،آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت (تشکیل شدہ:1964) اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (قائم شدہ: 1972) پہلے ہی سے موجود ہیں۔مسلم پرسنل لا بورڈ میں سنی جماعت کے بھی بعض افراد شامل ہیں۔ یہ دونوں تنظیمیں خود کو تمام کلمہ گو طبقات کی نمائندہ جماعت تسلیم کرتی ہیں۔اگر یہ تنظیمیں کامیاب نہیں تو کسی جدید تنظیم کی کامیابی کی بھی کوئی ضمانت نہیں۔

ہو سکے تو خالص سنی مسلمانوں کی ایک مرکزی ڈیفنس کمیٹی بنالی جائے جس کی شاخیں ملک بھر میں ہوں۔ درحقیقت تمام سنی مسلمانوں کو جمع کر لینا مشکل ہے،پھر تمام کلمہ گو طبقات کو جمع کرنا کس قدر مشکل ہوگا۔خواب دیکھنا آسان ہے۔خوابوں کی تعبیر کا جلوہ پذیر ہونا مشکل ہے۔ بھارت کے عظیم بلاد وقصبات میں مسلم،ہندو،سکھ، عیسائی ودیگر اقوام کی مشترکہ ''امن کمیٹی'' قائم کی جائے۔غیر مسلموں کے ذہن سے نفرت اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

احتجاج ومظاہرہ کا حال بھی معلوم ہے۔حکومت کچھ سنتی نہیں اور مظاہرین پر گولیاں چلتی ہیں،لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ مظاہرین پر مقدمات ہوتے ہیں۔بسا اوقات مظاہروں کے سبب فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں۔مسلمانوں پر ظلم وستم ہوتا ہے، پھر انہیں کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ایسے حالات میں نفع ونقصان دیکھ کر پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہئے۔

بلاسوچے سمجھے لوگ بد مذہبوں سے سیاسی اتحاد وعملی اشتراک کا نعرہ لگا رہے ہیں۔سارا کام پیسوں سے ہوتا ہے۔اگر کوئی ایک ہی بندۂ خدا بہت سے ماہر وکیلوں کو جمع کر کے ایک مضبوط لیگل ٹیم تیار کر لے اور مستحکم قانونی ڈیفنس کرے تو بہت کام ہو سکتا ہے۔ قانونی دفاع کے واسطے ساری قوم کا اتحاد لازم نہیں۔بفضل الٰہی ایک سچے مسیحا کی ضرورت ہے۔

اسی طرح ملک بھر میں ماحول سازی کے واسطے ایک ہی شخص ایک وسیع میڈیا ہاؤس تشکیل دے کر مستحکم تدابیر کے ذریعہ غیر مسلموں کے دلوں سے مسلمانوں کی نفرت نکال کر پھینک سکتا ہے۔ دولت وثروت کی فراوانی ہو تو ایک ہی آدمی بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اوراق تواریخ میں بہت سے بندگان الٰہی ایسے ہیں کہ انہوں نے تنہا عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں۔

حضرت علامہ حسین حلمی بن سعید ایشیق استنبولی (1911-2001)(طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ) نے استنبول (ترکی) میں تین اشاعتی مکتبے قائم کیے۔اولاً دارالنشر ایشیق ، پھر 1966 میں دارالنشر :الحقیقۃ ،اس کے بعد 1976 میں مکتبہ وقف الاخلاص قائم فرمایا۔انہوں نے بہت سی اسلامی کتابیں شائع کیں۔وہ دنیا بھر میں مفت میں کتابیں بھیجتے تھے۔آج بھی ان مکتبوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا ہے:اللّٰھم زد فزد

اہل سنت وجماعت کا اتحاد واتفاق امر محمود اور مطلوب شرع

ہے ،لیکن اگر اہل سنت و جماعت کا کوئی ایک ہی طبقہ قانونی دفاع کے واسطے قوی و مستحکم پیش قدمی کرے تو بھی بہت کچھ ہوسکتا ہے۔قانونی دفاع کے واسطے اہل سنت و جماعت کے تمام طبقات کا بھی متحد ہونا ضروری نہیں، پھر بدمذہبوں سے سیاسی اتحاد کی شرعی ضرورت وحاجت کیوں کر ثابت ہوگی؟

کئی سالوں سے موقع بموقع بدمذہبوں سے سیاسی اتحاد کا نعرہ بلند کر کے ماحول خراب کیا جاتا ہے۔اہل ندوہ نے بھی طویل مدت تک تمام کلمہ گو طبقات کے اتحاد کے لیے شور مچایا تھا۔علمائے اہل سنت و جماعت رد کرتے رہے،انجام کار وہ لوگ خاموش ہوگئے۔

بدمذہبوں سے میل جول ناجائز ہے۔جب شرعی ضرورت یا شرعی حاجت متحقق ہو،تب بدمذہبوں سے عملی اشتراک کی اجازت ہوسکتی ہے۔شرعی ضرورت یا شرعی حاجت ہر وقت متحقق نہیں ہوتی۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے رسالہ ''جلی النص فی اماکن الرخص ''میں ضرورت،حاجت،منفعت،زینت اور فضول کے مفاہیم واحکام مرقوم ہیں۔بدمذہبوں اور خاص کر دیوبندیوں سے عملی اشتراک شرعی مصلحت کے برخلاف ہے۔دیابنہ خود کو حنفی کہتے ہیں اور قادری وچشتی وسہروردی ونقشبندی بنے پھرتے ہیں،جس سے بعض سنی مسلمانوں کو شبہہ ہونے لگتا ہے کہ یہ دیگر گمراہ فرقوں سے کم گمراہ ہیں ،پھر باہمی نشست وبرخاست،خورد ونوش، دوستی ومحبت اور شادی بیاہ کا معاملہ درپیش ہوتا ہے۔بری صحبت جلد ہی اپنا اثر دکھلانے لگتی ہے۔

عملی اشتراک کے فوائد ونقصانات پر بھی غور کرنا ہے۔مسلم پرسنل لا بورڈ (قائم شدہ:1972) میں چند متصلب علمائے اہل سنت وجماعت کو سنی مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر شرکت کی اجازت دی گئی تھی ،لیکن بورڈ میں دیوبندیوں کی اکثریت تھی۔ وہ لوگ سارے کام اپنی مرضی سے کرتے۔شریعت اسلامیہ کی بھی صحیح نمائندگی نہیں کرتے۔انجام کار یہ عملی اشتراک بھی ناکام ہوا۔بورڈ سے کنارہ کش ہوکر 1985 میں قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''مسلم پرسنل لا کانفرنس'' قائم فرمائی۔پڑوسی ملک میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے واسطے علمائے اہل سنت نے دیوبندیوں،وہابیوں کے ساتھ مل کر متحدہ تحریک چلائی۔اس سے قوم مسلم نے یہ سمجھا کہ دیابنہ بھی غلط راہ پر ہیں ،لیکن قادیانیوں کی طرح غلط راہ پر نہیں۔رفتہ رفتہ دیوبندیوں سے عوامی روابط وتعلقات بڑھے۔باہمی شادی بیاہ کی نوبت آئی اور صلح کلیت کو فروغ ملا۔آج وہاں مذبذبین کا ایک بڑا ٹولہ موجود ہے۔منہاجیت بھی اسی سیاسی اتحاد کے بطن سے نمودار ہوئی۔

اگر ملک بھر کے سنی مسلمان دیگر کلمہ گو طبقات مثلاً وہابیہ، دیابنہ،غیر مقلدین،شیعہ،بوہرہ وغیرہ کے ساتھ مل جل کر رہیں۔سب ایک دوسرے کی اقتدا میں نمازیں پڑھیں۔ایک دوسرے سے شادی بیاہ کریں۔ایک دوسرے کی نماز جنازہ پڑھیں۔ایک دوسرے کے ساتھ سلام وکلام،مصافحہ ومعانقہ،خورد ونوش،نشست وبرخاست کریں اور اپنا دفاع نہ کریں تو دشمنوں کے مظالم جاری رہیں گے،اور اگر صرف اہل سنت وجماعت کے لوگ ہی مستحکم انداز میں دفاعی پوزیشن سنبھال لیں تو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ حالات بہتر ہوسکتے ہیں۔

بعض لوگ اہل سنت کے اتحاد کی نہ کوشش کرتے ہیں اور نہ کبھی اس کا تذکرہ کرتے ہیں،لیکن بدمذہبوں سے اتحاد کے واسطے

ہمیشہ اپنا سینہ کشادہ رکھتے ہیں۔ یہ شیطانی حربے ہیں۔ بدمذہبوں سے میل جول اور سیاسی اتحاد سنی مسلمانوں کے لیے زہر قاتل ہے۔ میل جول کے سبب مذہبی تصلب فنا ہو جاتا ہے اور صلح کلیت کا خطرہ سروں پر منڈلانے لگتا ہے۔ غیروں کے مظالم سے بچنے کے لیے دفاع لازم ہے، نہ کہ بدمذہبوں سے اتحاد۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ تمام کلمہ گو فرقے متحد ہو گئے تو اغیار ہم پر ظلم وستم نہیں کریں گے اور کوئی ہم پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا تو یہ غلط فہمی ہے۔ جو لوگ اپنا ڈیفنس نہیں کرتے ہیں، ان سے کوئی ڈرتا نہیں۔ عرب ممالک کی متحدہ تنظیم موجود ہے، لیکن اسرائیل عربوں کو مسلسل تباہ کرتا جا رہا ہے، کیوں کہ عرب ممالک کے پاس مضبوط اور مستحکم دفاعی قوت نہیں۔

نہ جانے کب تک فرقہ پرست قوتیں مسند اقتدار پر براجمان رہیں گی، لہٰذا فرقہ پرست قوتوں کے مظالم سے محفوظ رہنے کے واسطے ملک کے بڑے شہروں میں ''امن کمیٹی'' تشکیل دی جائے۔ جس میں مسلم، ہندو، سکھ، عیسائی ودیگر قوموں کے افراد شامل ہوں۔ اسی طرح مذہبی وسیاسی ہر قسم کے افراد شریک ہوں، تا کہ ہر کوئی حسب قوت ماحول سازی کرے۔

غیر مسلموں کے درمیان پھیلائی جانے والی نفرتوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ ملک کی خدمت اور ملک کی اقتصادی ومعاشی ابتری کو درست کرنے کے لیے لوگوں کی ذہن سازی کی جائے۔ ملک میں امن وامان کے قیام اور غریبوں ومظلوموں کی مدد کے لیے لوگوں کو بیدار کیا جائے۔ ''امن کمیٹی'' کے قیام کے لیے بدمذہبوں سے ہاتھ ملانے کی حاجت نہیں۔ ''امن کمیٹی'' کا مقصد غیر مسلموں کے دل ودماغ سے نفرت کو دور کرنا ہے۔ اس کام کے واسطے بدمذہبوں کو ساتھ لینا لازم نہیں، بلکہ غیر مسلموں سے افہام وتفہیم کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

یہ ہمارا فکری انحطاط ہے کہ ہم اپنے علما ومشائخ پر تنقید کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے، حالاں کہ اس سے صرف ماحول خراب ہوتا ہے اور تنقید آرائی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ علمائے کرام ومشائخ عظام نہ سیاست وحکومت سے منسلک ہیں، نہ ہی سیاسی امور سے کماحقہ واقف وآشنا ہیں۔ ان نفوس عالیہ کا امت مسلمہ پر یہ احسان عظیم ہے کہ دین وشریعت کے تحفظ کے واسطے یہ حضرات مختلف قسم کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ.

ترجمہ: ہر شخص کے لیے وہ کام آسان ہے جس واسطے وہ پیدا کیا گیا۔
(صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، مسند احمد)

کام کرنے والے لوگ میدان میں اتریں اور اپنی حکمت عملی سے نفرت آلود فضا کو خوش گوار بنانے کی کوشش کریں۔ طعن وتشنیع سے کچھ فائدہ نہیں، اور غیر مفید اقدام عقل مندوں کا شیوہ نہیں۔ کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے، تا کہ کچھ کام ہو سکے۔ تمام اہل سنت مل جل کر کوئی موثر اور مفید نیز زود اثر لائحۂ عمل تیار کریں جس میں مذہب ومسلک کی حفاظت بھی ہو اور موجودہ حالات سے نمٹنے کا طریقۂ کار بھی۔ کام کرنے کی ضرورت ہے تنقید کرنے کی نہیں۔ ہم کب تک کام نہ ہونے کا شکوہ کرتے رہیں گے۔ شکوہ وتنقید کرنے کے بجائے خود کام کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا فضل واحسان فرمائے اور ان کے حالات کو درست فرمادے۔

علامہ ہاشم نعیمی۔ایک باکمال عالم ومدرس

از۔مفتی محمد عاقل رضوی، پرنسپل جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

استاذ العلما، جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ محمد ہاشم صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ شہرہ آفاق، تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت ساری خوبیاں ودیعت فرمائیں۔وہ حسن اخلاق کے پیکر اور کبر ونخوت سے کوسوں دور تھے۔تقریر وتدریس اور تحریر تینوں میں انھیں ملکہ راسخہ حاصل تھا۔وہ علما، طلبہ اور عوام سب میں یکساں مقبول تھے، وہ متنازع فیہ معاملات سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔وہ قدیم ترین دینی درس گاہ، یادگار صدرالافاضل ''جامعہ نعیمیہ'' مرادآباد کے سینئر، قابلِ افتخار، مایہ ناز اور مقبول ترین استاذ تھے۔ان کی ساری زندگی ''جامعہ نعیمیہ'' سے منسلک رہی۔ان کی بے مثال تدریسی خدمات کا دائرہ، نصف صدی سے زیادہ عرصہ دراز کو محیط ہے۔علمی حلقوں میں ان کے طرزِ تدریس کی گونج دور تک محسوس ہوتی، ان کی علمی وجاہت وبرتری سب کے نزدیک مسلم تھی، ہاں تواضع وانکساری اور ملنساری کا عنصر ان کے علمی دبدبے پر غالب رہتا۔یہی وجہ ہے کہ وہ بہت زیادہ اصاغر نواز تھے۔ان کے انتقالِ پر ملال سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔اس دکھ ودرد کی گھڑی میں نبیرہ اعلیٰ حضرت، شیخ طریقت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ سربراہ اعلیٰ خانقاہ عالیہ رضویہ اور مرکز اہل سنت ''جامعہ رضویہ منظر اسلام'' کے اساتذہ، طلبہ ان کے اہل خانہ اور جامعہ نعیمیہ کے اربابِ حل وعقد کو تعزیت پیش کرتے ہیں۔جن سے ان کا مربی اور قابلِ افتخار استاذ جاتا رہا اور دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ساری دینی خدمات قبول فرمائے اور سیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

مختصر حالات زندگی: ۲۳؍مئی ۲۰۲۲ء/ ۲۱؍شوال المکرم ۱۴۴۳ھ بروز پیر نماز فجر کے وقت اپنے عہد کے اس ممتاز ترین عالم دین، عمدۃ المناطقہ والفلاسفہ، جامع منقولات ومعقولات، ماہر درسیات، مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا محمد ہاشم صاحب قبلہ نعیمی استاذ شعبۂ معقولات جامعہ نعیمیہ مرادآباد اس دار فنا سے دار بقا کو کوچ فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ولادت: مرادآباد کے دور افتادہ ایک مشہور گاؤں ''اکبرپور'' میں ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔آپ کے والد کا نام ''شمس الدین'' ہے جو ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور پورے گاؤں میں سبھی لوگ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم گاؤں کے ہی پرائمری اسکول میں حاصل کی۔اس کے بعد آپ حفظ قرآن کے لیے حافظ ملت علیہ الرحمہ کی جائے پیدائش قصبہ بھوجپور ضلع مرادآباد تشریف لے گیے۔یہاں کی جامع مسجد میں حضرت مولانا حافظ عبدالمجید صاحب کی درس گاہ بڑی مشہور تھی۔حافظ صاحب نہایت ہی پرہیز گار اور ولی صفت بزرگ تھے جنھوں نے ساری زندگی اسی جامع مسجد میں خدمات انجام دیں۔جامع مسجد کے بغل ہی میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ان ولی صفت بزرگ کی

درسگاہ میں بارہ سال کی عمر شریف میں محض دو سال کے اندر حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی۔ بعدہ شوال المکرّم ۱۳۶۹ھ مطابق جولائی ۱۹۵۰ء میں درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک کے مشہور ادارے ''جامعہ نعیمیہ'' مرادآباد میں داخل ہوئے۔ یہاں آپ نے فارسی کی تعلیم حضرت مولانا محمد حسین صاحب سے شروع کی جو اس وقت فارسی کے نامور اساتذہ میں سے ایک تھے۔ درس نظامی کی ابتدا سے تفسیر جلالین تک تقریباً پانچ سال تک جامعہ نعیمیہ میں ہی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ معقولات میں آپ کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے جامعہ کے اساتذہ نے آپ کو بریلی شریف جانے کا مشورہ دیا اور پھر سرکار مفتی اعظم ہند اور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی اور دیگر اکابر علما علیھم الرحمۃ والرضوان سے اکتساب علم اور کسب فیض کی نیت سے ''مظہر اسلام'' بی بی جی مسجد بریلی شریف تشریف لے گئے وہاں مسلسل تین سال علوم مروجہ خاص کر معقولات کی تعلیم حاصل کی اور پھر شوال ۱۳۷۷ھ مطابق مئی ۱۹۵۸ء کو ''جامعہ نعیمیہ'' مرادآباد مراجعت فرمائی۔ یہاں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اور ''صحاح ستہ'' وغیرہ کتابیں پوری کیں۔

دستار بندی: شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ۔ فروری ۱۹۵۹ء میں تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی، مجاہد دوراں سید مظفر حسین کچھوچھوی اور دیگر مشاہیر علما و اساتذہ کرام کے مبارک ہاتھوں سے سند و دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔

تدریسی خدمات: اسی سال شوال واپریل میں ''جامعہ نعیمیہ'' میں تدریسی خدمات پر مامور فرمائے گئے اور تاحیات اپنے اسی عہدے پر فائز رہے۔ ''جامعہ نعیمیہ'' میں آپ کا تدریسی دورانیہ تقریباً ۶۴؍سال کا ہے۔ اس دوران آپ نے ہزاروں نامور تلامذہ یادگار چھوڑے ہیں۔ بہت سے علمی و تحقیقی مضامین ومقالات تحریر فرمائے، بہت سے فقہی سیمیناروں، کانفرنسوں اور جلسوں میں شرکت کی۔ ملک کے اکثر علاقوں میں تبلیغی دورے کیے۔ بیرون ملک بھی جلسوں اور سیمیناروں میں تشریف لے گئے۔

حج وزیارت: ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ مطابق مئی ۱۹۹۱ء میں حج وزیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

بیعت: حضور مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل کیا۔ سرکار کلاں سے طالب ہوئے اور دونوں بزرگوں سے تمغۂ اجازت وخلافت بھی حاصل کیا۔ آپ بہت سے علوم مروجہ وغیر مروجہ میں عبور رکھتے تھے۔ البتہ معقولات سے خاص شغف تھا۔ اخلاق کریمانہ، لب ولہجہ مہذبانہ، انداز مشفقانہ، کردار منصفانہ رکھتے تھے۔ طرز تدریس اور انداز تفہیم کمال کا تھا۔ مسکراتے مسکراتے چند جملوں میں بڑی بڑی مشکل عبارتیں حل فرمادیا کرتے تھے۔

اساتذہ: آپ نے اپنے وقت کے انتہائی بزرگ اور ولی صفت اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا حافظ عبدالمجید امام جامع مسجد بھوجپور، عمدۃ المتکلمین حضرت مفتی حبیب اللہ نعیمی سابق شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ، مدبر ملت حضرت مولانا یونس نعیمی سابق مہتمم جامعہ نعیمیہ، حضرت مولانا شیخ طریق اللہ نعیمی سابق شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ، مظہر مفتی اعظم صدر العلما حضرت علامہ تحسین رضا خاں، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی، حضرت مولانا معین الدین اعظمی، حضرت مولانا محدث ثناء اللہ اعظمی اور حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی جیسی عبقری شخصیات ہیں کہ جن کے علم وفضل کا ایک زمانہ معترف ہے۔

مولانا نظام الدین نوری کا سانحۂ ارتحال

از۔ مولانا ازہرالقادری، استاذ جامعہ اہل سنت امدادالعلوم مٹہنا سدھارتھ نگر

حضرت علامہ مفتی نظام الدین احمد نوری جماعت اہل سنت کے معتمد عالم، مستند مفتی، بے باک خطیب، عمدہ مصلح اور کہنہ مشق شاعر تھے۔آپ دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف کے قابل فخر فرزند اور استاذ تھے۔افسوس صد افسوس! مؤرخہ ۲۲؍شوال المکرّم ۱۴۴۳ھ/ ۲۴مئی ۲۰۲۲ء بروز منگل بوقت صبح ساڑھے سات بجے ''دار العلوم فیض الرسول'' براؤں شریف آتے ہوئے ''اٹوا بانسی مارگ برگدوا موڑ'' ضلع بستی یو پی کی شاہراہ پرآپ کی گاڑی ایک بڑے ٹرک سے ٹکرا گئی اور اس ایکسیڈنٹ میں آپ اور آپ کے نوجوان صاحبزادے مولانا انوار بابو بھی وہیں جائے حادثہ پر ہی انتقال فرما گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے اس حادثاتی اوراچانک وصال کی خبر سے پوری جماعت اہل سنت میں ایک کہرام سے برپا ہو گیا۔ملک اور بیرون ملک کے علمائے اہل سنت نے اس حادثہ پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار فرمایا۔مرکز اہل سنت بریلی شریف کے سربراہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں اور اساتذۂ منظر اسلام نے تعزیت پیش کی اوران کے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کے لیے محفل منعقد کی۔اسی طرح ملک و بیرون ملک کے سنی اداروں میں بھی ایصال ثواب کی محفلوں کا انعقاد کیا گیا۔

مختصر حالات: حضرت علامہ نظام الدین احمد نوری بن الحاج الطاف حسین صاحب ایک باکمال مدرس ہونے کے ساتھ ایک معروف خطیب بھی تھےاور ملک کے گوشے گوشے میں ہونے والے جلسوں میں آپ خصوصی خطیب کی حیثیت سے شرکت فرمایا کرتے تھے۔آپ کی ولادت موضع ''بڑہرا کندھئی، تھانہ پورندر پور ضلع مہراج گنج یو پی'' میں مؤرخہ ۵؍فروری ۱۹۶۲ء کو ہوئی۔ابتدائی پرائمری تعلیم اپنے گاؤں ہی کے ''مدرسہ عربیہ اہل سنت نورالاسلام'' میں مولانا محمد اسلام مرحوم اور مولانا نیاز احمد صاحب کے زیر سایہ حاصل کی۔عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم کے لیے آپ ''دار العلوم برکاتیہ موید اسلام'' مگھر ضلع سنت کبیر نگر یو پی میں تشریف لے گئے۔حضرت مولانا ذکی صاحب سے آپ نے فارسی کی خصوصی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد مرکزی درسگاہ ''دارالعلوم فیض الرسول'' براؤں شریف ضلع سدھارتھ نگر یو پی میں داخل ہوئے اور وہیں پر فضیلت تک کی تعلیم حاصل کی۔ ۲۲محرم الحرام ۱۴۰۳ھ/ ۷؍نومبر ۱۹۸۲ء میں حضرت شعیب الاولیا علیہ الرحمہ کے عرس کے موقع پر منعقد ہونے والے سالانہ جلسۂ دستار فضیلت کی تقریب میں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ اور دیگر علماء ومشائخ کے مقدس ہاتھوں سند فراغت اور دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔آپ کے اساتذۂ کرام میں علامہ غلام جیلانی اعظمی، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، سلطان المناظرین مفتی عتیق الرحمٰن خاں نعیمی، حکیم ملت علامہ نعیم الدین گورکھپوری، فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد

امجدی، استاذ العلماء علامہ محمد یونس نعیمی، حجۃ العلم مفتی قدرت اللہ رضوی، علامہ سید احمد انجم عثمانی اور علامہ غلام عبد القادر علوی جیسے علمائے اہل سنت ہیں۔

آپ نے اپنے تدریسی سفر کا آغاز ''جامعہ عربیہ اہل سنت معراج العلوم'' بھدوکھر بازار ضلع سدھارتھ نگر یوپی سے کیا۔ دو سال یہاں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد آپ صوبہ گجرات کے مشہور شہر دھوراجی میں واقع ''دار العلوم مسکینیہ'' تشریف لے گئے جہاں ۶/سال تک آپ نے تدریسی خدمات کے ساتھ مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت کی خوب خوب نشر و اشاعت کی۔ اس کے بعد باندہ ضلع میں واقع ''دار العلوم عربیہ اسلامیہ اہل سنت'' سعدی مدن پور میں ۸/سال تک بحیثیت صدر المدرسین اپنے فرائض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

۱۹۹۹ء میں ''دار العلوم فیض الرسول'' براؤں شریف کے ارباب حل وعقد نے آپ کو تدریسی خدمات کے لیے مامور فرمایا جہاں آپ زندگی کی آخری سانس تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور اپنی تدریسی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے اسی دار العلوم میں جاتے ہوئے آپ دار بقا کی طرف کوچ کر گیے۔

تدریس وخطابت کے ساتھ آپ تصنیف وتالیف کا بھی خوب ذوق وشوق رکھتے تھے۔ آپ نے ''شریعت اور صوفی''، ''مذکورات شرح منثورات''، ''انجح التشریحات شرح مرقاۃ'' اور ''اصول فقہ'' جیسی کتابیں یادگار کے طور پر چھوڑی ہیں۔ آپ ایک باکمال شاعر بھی تھے، مشکل اور غیر معروف بحروں میں بھی فی البدیہ اشعار کہا کرتے تھے۔ آپ کے کلام کا حسین مجموعہ ''مطاع بخشش'' زیر ترتیب ہے۔

بیعت وخلافت: آپ کی شان خطابت ناقابل فراموش تھی۔ آپ ملک کے گوشے گوشے میں جا کر اپنی خطابت کے ذریعہ مسلک اعلیٰ حضرت کی خوب سے خوب نشر واشاعت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو مرکز اہل سنت بریلی شریف سے بے انتہا عقیدت ومحبت اور عشق تھا۔ بارہا آپ بریلی شریف تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت سیدی سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔ اسی نسبت کی وجہ سے آپ اپنے نام کے ساتھ ''نوری'' کا لاحقہ لگاتے تھے۔ نام میں اشتراک کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کو جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے مفتی اور سابق صدر المدرسین حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب ہی سمجھ لیتے تھے۔ انتقال کی خبر سے بھی بہت سے لوگوں کو یہ دھوکا ہو گیا کہ اشرفیہ کے مفتی نظام الدین صاحب اس دنیا سے چلے گیے۔ حالانکہ الحمد للہ! مفتی نظام الدین صاحب اشرفیہ والے باحیات ہیں۔ اللہ ان کی عمر دراز فرمائے۔ یہ علامہ نظام الدین صاحب جن کا وصال ہوا ''دار العلوم فیض الرسول'' کے استاذ اور معروف خطیب کی حیثیت سے مشہور تھے۔ آپ کو حضور تاج الشریعہ بریلوی علیہ الرحمہ اور حضرت گلزار ملت مسولی شریف سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ نے ۱۹۹۹ء میں پہلا حج اور ۲۰۰۳ء میں دوسرا حج کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کے فرزند ارجمند کی مغفرت فرمائے، اہل خانہ، احباب اور ''دار العلوم فیض الرسول'' براؤں شریف کے اساتذہ وطلبہ ودیگر معتقدین ومتوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

تحفظِ ناموسِ رسالت اور قومی بے حسی

از۔مولانا غلام مصطفیٰ رضوی، نوری مشن مالیگاؤں

عہدِ رواں میں ناموسِ رسالت ﷺ میں بے ادبی و توہین روز مرّہ کا معمول بن چکی ہے، مقتضائے وقت ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ سے مسلمانوں کو قریب کیا جائے۔ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی مستشرقین کی جانب سے توہینِ رسالت کی جاتی ہے، کبھی پادریوں اور آریوں کی طرف سے یہی حرکت ہوتی ہے، تو کبھی فن اور آرٹ کے نام پر کارٹونسٹ تشدد بھرا اعلان دیتے ہیں۔کبھی آزادیِ اظہار کے نام پر جرأت کی جاتی ہے۔کیا آزادی اِسی کا نام ہے کہ جھوٹی باتیں روشن سیرتوں سے منسوب کی جائیں؟ غلط بیانی، منوّر ذات سے متعلق گڑھی جائے؟ کچھ یہی معاملہ برصغیر کا ہے جہاں شاتم و گستاخِ رسول کو بھرپور آزادی ہے۔آریاؤں کے فتنے، پنڈتوں کے منفی ریمارک، سیاسی بازی گروں کی جسارت، ہند میں فرقہ پرست عناصر کے ذریعے شاتمانہ بیان بازی، میڈیا کا اسلام مخالف کردار ایسے پہلو ہیں کہ اگر ہم نے اپنی نسلوں کے اندر محبت رسول ﷺ کا جذبہ راسخ نہیں کیا تو کل اِس سے زیادہ حالات خراب ہونے کا خدشہ ہے اور ایمان کی بربادی کا اندیشہ۔

سیرت سے متعلق ذمہ داری: سیرتِ طیبہ سے نسبت و تعلق کے تقاضوں کی بجا آوری میں کمی بھاری غلطی ہے۔جس کا خمیازہ نسلوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔موجودہ نظامِ تعلیم میں بھی دین سے دوری کا بہت کچھ مواد شامل ہے۔دہریت، لاادریت، آزادروی کی لہر نے دین بیزار فکر کو رواج دیا ہے۔ایسے میں گھروں میں دینی ماحول کی پرورش، بچوں کی دینی تربیت، سیرت مصطفیٰ ﷺ کا لازمی مطالعہ، سیرت سے متعلق مستند لٹریچرز کا انتخاب، عظمتِ رسالت کے پہلوؤں کا خصوصی مطالعہ از حد ضروری ہے تا کہ دل میں محبت و تعظیم رسول ﷺ کا نقش جمے، یوں ہی ایسے معمولات بھی رواج دیے جائیں جن کی بنیاد پر رسول کریم ﷺ سے تعلق میں پختگی آئے تا کہ نسبتوں کی بہاریں خزاں کے جھونکوں سے متاثر نہ ہو سکیں۔

جذبات کی سمت: قوم بڑی جذباتی ہے۔کبھی شورش کے وقت بیدار ہو کر مناسب کبھی غیر مناسب اقدام کرتی ہے۔پھر خوابِ غفلت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ایسے حالات میں عقل و عشق رسول میں باہم ربط ضروری ہے۔ مثال سامنے ہے آشو پر یہار، پروین تو گڑیہ، نرسنگھا نند کے خلافِ اسلام بیانات، سیرت مخالف ریمارک سے متعلق وقتی احتجاج درج کروائے گئے۔ نہ ہی ہم نے کوئی ٹھوس اقدام کیا، نہ ہی قانونی معاملات میں سنجیدہ پیش رفت کی، اس بابت کمیاں یہ رہیں:

(ا) قانونی معاملات سے پہلوتہی اِس لیے ہوئی کہ وہ صبر آزما مرحلہ ہے، ہم سے مستقل پیش رفت نہیں ہوتی۔ یا مناسب طریقے سے لگاتار جدوجہد سے جی چراتے ہیں۔ چالاک وکلاء کی تنظیم بندی نہیں ہے۔ ناموسِ رسالت کے لیے وکلاء کی مناسب تربیت نہیں ہے۔

مقدمات چلانے کے لیے مناسب پلاننگ کا فقدان ہے۔

(۲) بلکہ شاتمین کی توہین پر ملک کے درجنوں مقامات پر درج ایف آئی آر سے متعلق بے اعتنائی رہی۔ اس درمیان شاتمین عالمی صہیونی طاقتوں کے زیر اثر اپنے لیے ماحول سازی میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بعد کو معاملہ تعطل کا شکار رہتا ہے۔ بسا اوقات گرفتاری بھی ہوئی تو دفعات ایسی لگائی گئیں کہ آناً فاناً چھوٹ جاتے ہیں جیسا کہ نرسنگھانند کا ہوا۔ وہ مسلمانوں کی نسل کشی کی بات کرتا ہے، توہینِ رسالت کا ارتکاب کرتا ہے اور فوراً چھوٹ بھی جاتا ہے اور پھر توہین کا بازار گرم کر دیتا ہے۔

(۳) ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں جمہوری احتجاجات بھی سیاست کے نشانے پر ہوتے ہیں۔ ۱۲؍ نومبر ۲۰۲۱ء مالیگاؤں بند ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا، پھر تشدد کے معاملہ میں جو مسلمان جیلوں میں بھر دیے گئے ان سے متعلق اب تک اہل اقتدار کی بے اعتنائی سامنے ہے۔ آج ۷-۶ ماہ کا عرصہ گزر گیا بے گناہ نوجوان جیلوں میں بند ہیں، کوئی مناسب طریقے سے ان کا معاملہ حل نہیں ہو رہا ہے۔ اہل سیاست خاموش ہیں۔ اقتدار خاموش ہے۔ دوسری طرف توہین کے مرتکب آزاد ہیں۔ ان کی جرأتیں بڑھی ہوئی ہیں۔

(۴) ہمارے یہاں جذبات تو ہیں لیکن مناسب پلاننگ/ ڈسپلن نہیں جس کے باعث کوششیں کارگر نہیں ہوتیں یا کوششیں ہوتی ہیں لیکن مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو پاتے۔

حال کا المیہ: حال ہی میں ''ٹائمز ناؤ چینل'' پر بی جے پی کی خاتون ترجمان کی گستاخانہ جسارت اور دریدہ دہنی نے مسلمانوں کے دلوں کو چھلنی کر کے رکھ دیا ہے۔ اس ضمن میں جمہوری و قانونی اقدامات سے گریز بہت نقصان دہ ثابت ہوگا۔ قائدین کو فی الفور اقدامات کے لیے منصوبہ بندی کرنی چاہیے اور بنا کسی ڈر وخوف کے منظم طریقے سے قانونی کارروائی کے لیے مؤثر اقدامات اٹھانے چاہئیں۔ یاد رکھیں! قوم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموسِ پاک کے معاملے میں اگر سوئی رہ گئی تو کل بہت نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس لیے آج ہی بیداری کی ضرورت ہے۔ آج ہی خواب سے جاگنا ضروری ہے۔ آج ہی اقدامات طے کرنے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

مشرکین ہند کی یورش و یلغار

ملک ناگفتہ بہ حالات سے گزر رہا ہے۔ ہر روز نئی افتاد، نیا حملہ، نیا شوشہ، نیا ظلم و ستم۔ ایک آندھی تھمتی نہیں کہ دوسری چلنے لگتی ہے۔ کبھی مساجد پر یورش، کبھی مدارس پر یلغار۔ کبھی خانقاہیں نشانہ پر تو کبھی درگاہیں۔ غرض کوئی پہلو ایسا نہیں کہ فرقہ پرست مشرکین مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا موقع ہاتھ سے جانے دیں۔ کیفیت یہ ہے کہ

(۱) ماب لنچنگ کے ذریعے مسلمانوں کو مسلسل شہید کیا جا رہا ہے۔ ہجومی تشدد مشرکین کی عادت کا حصہ بن چکا ہے۔

(۲) مسلمانوں کی مذہبی آزادی پر حملہ ہے۔ قانونی حقوق عملاً چھینے جا رہے ہیں۔

(۳) مسلمانوں کا معاشی بائیکاٹ کیا جا رہا ہے۔ غریب پھل فروش

اور ٹھیلے والوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ بے دست و پا کیا جارہا ہے۔

(۴) مسلم بچیوں کو زَد پر لیا جارہا ہے۔حتیٰ کہ مشرکین کے سادھو سنت کھلا بیان دے رہے ہیں اور مسلم بچیوں کی عصمتوں سے کھلواڑ کا اعلان کررہے ہیں۔

(۵) دھرم سنسد میں مسلمانوں کے قتل کی بات کی جاتی ہے۔تشدد بھڑکایا جاتا ہے۔متشدد چہرے قانونی کارروائی سے مستثنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔

(۶) تشدد کے بھگوا ہجوم مسجدوں پر دھاوا بولتے ہیں، پھر مسلمانوں پر پتھراؤ زنی کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔مسلمانوں کی املاک، مکان و دوکان کو بلڈوزروں سے زمیں دوز کردیا جاتا ہے۔ایم پی و دہلی میں اقتدار نے یہی ظلم کیا۔

یہ حالات، یہ وارداتیں، یہ صورت حال یوں ہی درپیش نہیں ہوئے، ہمارے ہی اعمال کے نتائج ہیں، قرآن مقدس میں ارشادِ الٰہی ہے:

''بے شک اللہ کسی قوم کو گردش میں نہیں ڈالتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدل ڈالیں۔''

(القرآن الکریم؛سورۃ الرعد:۱۱)

''تدابیر فلاح و نجات'' اور اصلاح احوال کے سلسلے میں مسلم معاشی استحکام، اقتصادی ترقی کے لیے ایک صدی قبل ۱۹۱۲ء میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو تجاویز پیش کیں،ان کی اِک جھلک یہاں دیکھتے ہیں:

''**اولاً**: باستثنا ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے،اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے۔ یہ کروروں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور ہوئے جاتے ہیں،محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔

ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد وغیرہ کے تواں گر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بنک کھولتے۔سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے،مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتبِ فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب ''کفل الفقیه الفاهم''میں چھپ چکا ہے،ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی۔''

(تدبیر فلاح و نجات و اصلاح،طبع مالیگاؤں،ص۲۱)

حالتِ زار: عموماً مسلمانوں میں آپسی رنجش میں بات مقدمات تک پہنچ جاتی،کورٹ کچہری کے چکر میں بڑا سرمایہ نذر ہوجاتا۔اغیار اس کا خوب فائدہ اُٹھاتے۔اعلیٰ حضرت نے یہ فکر دی کہ اپنے مسائل باہمی طریقے سے اور مطابق بہ شرع حل کریں، اس طرح مال بھی ضائع نہ ہوگا اور اغیار کو مداخلت کا موقع بھی نہ ملے گا۔موجودہ وقت میں شرعی مسائل میں مداخلت کی کوششیں بڑھ چکی ہیں۔

تجارتی بزم میں زیادہ تر مقامات پر مشرکین فائز ہیں۔ پھر ہماری اقتصادی پالیسی نہ ہونے کے باعث اغیار کے ہاتھوں

استحصال کے شکار ہوتے رہتے ہیں۔خود مالیگاؤں میں کپڑا صنعت ہے جس میں خام مال بھی مشرکین سے لیتے ہیں اور تیار مال بھی انھیں ہی فروخت کرتے ہیں، مشرکین جب چاہتے ہیں خام مال کے دام زیادہ اور تیار مال کے دام کم کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔جس سے اکثر کاروبار مندی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ جب کہ خام مال و تیار مال کے بیوپاری مسلمان ہوتے تو کچھ حد تک بحران پر قابو پایا جا سکتا تھا۔

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی (کوئنز یونی ورسٹی، کینیڈا) مسلم معیشت کے استحکام کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''صاحبِ حیثیت مسلمانوں کو میں نے غیروں کی دوکانوں سے خرید و فروخت کرتے دیکھا۔ مسلمانوں میں اس وقت بھی ماہرینِ اقتصادیات موجود تھے لیکن بدقسمتی سے ان کی نگاہیں مغربی مفکرین کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ خود ان کا ایک عالم اقتصادیات کے بارے میں کیسے کیسے موتی ان کے سامنے بکھیر گیا ہے۔ وہ اپنے خزانے سے بے خبر رہے۔ اگر اس وقت کوئی بھی مسلم ماہرِ اقتصادیات اس نکتے کے دوررَس اثرات کی وضاحت کر دیتا اور مسلمان صرف مسلمانوں ہی سے خرید وفروخت کرنے لگتے تو مسلمان ہندوستان میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت مضبوط ہوتے، خوش حال ہوتے۔

مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جب جد وجہد تیز ہوتی جا رہی تھی اس موقع پر کسی نے بھی مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور اس سے نمٹنے کے لیے کوئی پالیسی وضع نہ کی، اس موقع پر امام احمد رضا نے اپنے معاشی نکات پیش کیے جن پر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے کوئی غور وفکر نہیں کیا۔(نفس مصدر، ص ۷)

مشرکین سے اتحاد و وداد نے مسلمانوں کو کہیں کا نہ رکھا۔ معاشی انحطاط، بزنس وغیرہ سے لاپروائی نے مزید کمزور کر دیا۔ دوسری جانب مشرکین اکثر وسائلِ روزگار پر قابض ہوتے چلے گئے- ایک صدی ہمیں بننے بنانے میں گزارنی تھی لیکن ہم نے بے توجہی برتی اور آج سخت نتائج جھیل رہے ہیں۔ پروفیسر رفیع اللہ لکھتے ہیں:

''مسلمان صنعت کار جب اشیا کی پیداوار میں اضافہ کرتے تو یقیناً وہ بے روزگار مسلمان جو تلاشِ روزگار میں سرگرداں تھے ملازمتیں حاصل کر لیتے اور جب ان افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا تو ان کی مؤثر طلب بڑھ جاتی اور معاشیات کا وہ چکر شروع ہو جاتا جو کسی بھی معیشت کو خوش حال کر دیتا ہے۔'' (نفس مصدر، ص ۸)

روزے کی جدوجہد، ارکان اسلامی کے احکام اور اسلامی معاشی نظام ہمیں سعی پیہم کا پیغام دیتے ہیں۔ کوشش کی جائے۔ تگ و دو سے کام لیا جائے۔ ان شاء اللہ وادی بھی ہماری ہوگی اور گلشن بھی ہمارا۔ دین پر استقامت اختیار کر کے اپنے تمام معاملات شریعت کے مطابق کر لیے جائیں تو بڑی تبدیلی واقع ہوگی۔ فی الحال حالات بھی ایسے ہیں کہ خود کفالت کے رجحان کو عملی جامہ پہنانا وقت کا تقاضا ہے۔ اپنے معاشرے کے غریبوں کی کفالت کا فریضہ انجام دے کر معاشی نظام کی تقویت کا سامان کیا جا سکتا ہے۔ ہم اپنی زکوٰۃ اور صدقات کی رقم کا صحیح استعمال کر کے اپنے معاشرے سے غربت دور کر سکتے ہیں اور غریبوں کے اقتصادی حالات بھی درست کر سکتے ہیں۔ اپنی زکوٰۃ کی رقم سے ہم غریبوں کو روزگار دے کر اپنے مسلم معاشرہ میں اقتصادی استحکام پیدا کر سکتے ہیں۔

نعت پاک

از۔شہیر رضوی کھیروی، سیدواڑہ، کھیری یوپی/ ڈاکٹر وصی مکرانی، بانی کائنات سخن ملنگوا ضلع سرلاہی نیپال

ہدایتوں کا منارہ بہت ہی عمدہ ہے
جمال گنبد خضریٰ بہت ہی عمدہ ہے
حسن حسین کے ناناکے دین کی خاطر
جہاں کو دل سے بھلانا بہت ہی عمدہ ہے
جہاں میں اور بھی نبیوں کے دوراچھے تھے
شہ امم کا زمانہ بہت ہی عمدہ ہے
بریلی مکہ مدینہ کی رٹ لگائے ہے
یہ بلگرامی دوانہ بہت ہی عمدہ ہے
طواف کعبہ ہو چاہے صفاؤ مروہ ہو
وہاں ہرایک نظارا بہت ہی عمدہ ہے
جہاں کی ساری کتابوں کے پڑھنے والوں نے
کہا کلام خدا کا بہت ہی عمدہ
مدینہ جائے گا جلوؤں کو لوٹنے کیلئے
غلام! تیرا ارادہ بہت ہی عمدہ ہے
تمام مشکلیں بیماریاں ہوئیں کافور
در رسول کا صدقہ بہت ہی عمدہ ہے
خدا نے امت سرکار میں کیا پیدا
میاں! نصیب ہمارا بہت ہی عمدہ ہے
طبیب کہتے ہیں دنیا کے سارے شہروں سے
نبی کا شہر مدینہ بہت ہی عمدہ ہے
تمام عمر نظر میں بسا رہے طیبہ
تمہارے دل کی تمنا بہت ہی عمدہ ہے
شہیر خالدی نعت رسول سنتے ہی
سماعتوں نے بتایا بہت ہی عمدہ ہے

ہم چھوڑ کے جاتے ہیں گھر بار مدینے میں
سب دن کے لیے رکھ لو سرکار مدینہ میں
اچھا جو ہوا اچھا تو اس میں تعجب کیا
پاتے ہیں شفا جاکر بیمار مدینہ میں
دل عشق سے خالی ہو پھر کوئی سوالی ہو
پائے گا وہ کیا جاکر مکار مدینہ میں
سرکار کے سارے ہی اوصاف حمیدہ کا
دشمن بھی نہ کر پائے انکار مدینہ میں
کیوں دست گدائی کو پھیلانا کہیں جا کر
بیٹھے ہیں دو عالم کے مختار مدینہ میں
ہے دل میں اگر کینہ، دوزخ ہے ترا سینہ
تو جا کے کرے گا کیا غدار مدینہ میں
گلہائے بہشتی کی یہ حرص طلب، حد ہے!
خوش بختی مری، ہوتا جو خار مدینہ میں
تکتی ہیں تری جانب دنیا کی نگاہیں بھی
ہر سمت ہے دولت کا انبار مدینہ میں
بس اتنی تمنا ہے سرکار وصی جا کر
لکھتا تیری مدحت کے اشعار مدینہ میں

کلام رضا میں مناقب خلفائے راشدین

از: مولانا ارشد شمسی مدرسہ حسینیہ غوثیہ ٹمیا برج کلکتہ

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہت ہی قیمتی جوہر ہے۔نجات دائمی فلاح اخروی کا اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔یہ وہ عظیم شئی ہے جو کہ ادنیٰ کو اعلیٰ ،مجہول کو معروف اور انسان کو پستی کی منزل سے اٹھا کر تفوق و تعلّی کی منزل پر لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔میرے جملہ کی تصدیق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف سے ہو جاتی ہے جس میں آپ نے یار غار کے تعلق سے فرمایا تھا ''ابوبکر کو فوقیت وفضیلت کثرت صوم وصلوٰۃ کی بنا پر نہیں ملی بلکہ اس محبت کی وجہ سے جو کہ خالق کائنات نے ان کے قلب اطہر میں ڈال دی ہے''۔

اسی محبت رسول کے باعث آپ ایمان کے بلند مرتبہ پر فائز ہو گئے تھے حتی کے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مدح وثنا کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے کہ ''پوری کائنات کا ایمان ایک طرف رکھا جائے اور صدیق اکبر کا ایمان ایک طرف رکھا جائے تو بھی آپ کا ایمان سب پر بھاری ہوگا''۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت،عظیم البرکت رفیع الدرجت ، محدث بریلوی ،امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کو بزرگی و برتری اور بے شمار علوم وفنون میں جو دسترس حاصل ہے وہ عشق رسول ہی کی بنا پر ہے۔چشم فلک شاہد ہے کہ آپ نے اپنی خرمن ،ہستی کو محبت رسول میں فنا کر دیا تھا۔آپ کے رگ وریشے میں الفت سرکار بس گئی تھی۔

آپ کا ہر عمل سنت مصطفیٰ کا ترجمان نظر آتا ہے۔آپ ہمہ اوقات بحر عشق میں مستغرق رہتے ،جب بھی کسی کی زبان سے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مقدس سماعت کرتے فوراً آپ کی آنکھوں سے اشکوں کی برسات ہونے لگتی۔آپ ہر لمحہ تصور جاناں میں کھوئے رہتے تھے اور آپ کی زبان مبارک ہمہ وقت مدحت سرکار میں رطب اللسان رہتی تھی۔

عشق کا تقاضہ یہ ہے کہ محبوب کے اعداء سے نفرت اور محبوب کے محبین سے محبت کی جائے بلا اشتباہ آپ اس جملے کا مصداق تھے کیونکہ تاریخ کے صفحات بتا رہے ہیں کہ آپ نے تاحیات اپنی زبان اور اپنے قلم کے ذریعہ باغیان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکوبی کی ہے اور ہمیشہ ہر اس شئی سے محبت کی ہے جس کو سرکار نے محبوب رکھا۔یہی وجہ ہے کہ جس طرح آپ نے سرکار کی شان میں بے شمار اشعار کہے ہیں اسی طرح صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کی بھی شان میں بے حساب اشعار کہے ہیں۔خلفائے راشدین کی شان میں جو اشعار آپ نے کہے ہیں ان میں سے صرف دو شعر اور اس کی تشریح پیش کر رہا ہوں تاکہ قاری کو معلوم ہو جائے کہ کس قدر آپ اپنے نبی کے عقیدت مندوں سے محبت کرتے تھے۔

یار غار وفا شعار پدر عائشہ صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی شان میں یوں گویا ہوئے۔

خاص اس سابقِ سیر قربِ خدا
اوحد کاملیت پہ لاکھوں سلام

ابن عسا کر نے حضرت علی سے روایت کی کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر ایمان لائے۔اس حدیث شریف کو ابن سعد اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔

مذکورہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ خاص کر ابو بکر صدیق جو مہاجرین میں سفر ہجرت پر سبقت لے جانے والے ہیں اور خدا کے مقرب، تکمیل ایمان میں منفرد ہیں ان کی کاملیت پر لاکھوں سلام ہو۔

اصدق الصادقین سید المتقین
چشم وگوش وزارت پہ لاکھوں سلام

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ سچوں میں سب سے سچے، پرہیز گاروں کے سردار، حضور کے محکمۂ وزارت کی آنکھ، صدیق اکبر پہ لاکھوں سلام۔

مستدرک میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ والد محترم ابو بکر کے پاس مشرکین مکہ اور ابوجہل وغیرہ گئے اور معراج کی داستان سنائی اور کہا اب تمہارا اپنے دوست کے بارے میں کیا خیال ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور نے یقیناً سچ فرمایا ہے اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اسی وقت سے آپ کا لقب صدیق ہو گیا۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر کے متعلق آپ نے فرمایا۔

وہ عمر جن کے اعداء پہ شیدا سقر
اس خدادوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارق حق و باطل امام الہدا
تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

پہلے شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر کے دشمنوں کا جہنم عاشق ہے اس مقرب بارگاہ الٰہی اور خدادوست پہ لاکھوں سلام ہو۔

حضرت ابوسعید خدری نے روایت کی کہ حضور نے فرمایا جس نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا جس نے عمر کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا۔جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھے اس کے جہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے تو عمر سے دشمنی درحقیقت نبی سے دشمنی ہے جو موجب جہنم ہے اور عمر کی محبت موجب جنت ہے۔اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے پہلا شعر کہا ہے۔حضرت عمر نے اسلام لانے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کی دو صفیں بنا کر کعبہ کی طرف روانہ ہوئے پہلی صف میں ایک طرف حضرت عمر دوسری طرف حضرت حمزہ تھے۔یہ اسلام کی تاریخ میں پہلا دن تھا کہ مسلمان بڑی شان وشوکت کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے تھے۔حق و باطل کی تفریق پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو فاروق کا لقب دیا اور آپ واقعی فاروق اعظم ہو گئے۔آپ طبیعت کے سخت تھے قرآن نے اشداء علی الکفار آپ کی صفت بیان کی ہے۔

شیطان ملعون جلال عمر سے اس قدر خائف رہتا تھا کہ آپ کو دیکھ کر راستے بدل دیتا تھا۔اعلیٰحضرت کا شعر انہیں باتوں کی ترجمانی کر رہا ہے۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان کی عقیدت میں سرشار ہو کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

درمنثور قرآن کی سلک بہی
زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدی
حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام

مذکورہ بالا شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی قرآن

شریف کے منتشر و بکھرے ہوئے جواہر کو خوبصورت لڑی میں پروئے ہوئے ہار کے مثل ہیں اور دو پاکیزہ طاہرہ نورانی دختران نبی کے خاوند ہیں، ان پہ لاکھوں سلام اور آپ نے رشد وہدایت کی قمیص زیب تن فرمائی تھی اور آپ شہدا کا جنتی لباس پہنے ہوئے تھے۔ آپ پر لاکھوں سلام ہو۔

حضرت عثمان غنی کا لقب ذوالنورین اور خطاب جامع القرآن ہے۔ جس قرآن کو حضرت ابو بکر نے جمع فرما کر حضرت حفصہ کے پاس رکھ دیا تھا ایک دور ایسا آیا کہ قرآن کی قرأت کے بارے میں اختلاف ہونے لگا۔ آپ نے ام المومنین حضرت حفصہ سے لیکر نقل کرائی اور تمام گورنروں کو روانہ کردی۔ آپ کے ایسا کرنے سے فائدہ یہ ہوا کہ فتنے کا سد باب ہوگیا۔ اسی وجہ سے آپ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ آپ کے عقد میں حضور کی دو دختر مقدسہ آئیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کے بعد حضرت ام کلثوم کو آپ کے نکاح میں دیا جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضور کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکلا کہ اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان غنی کے نکاح میں دیتا۔

دوسرا شعر حضرت عائشہ کی روایت سے تعلق رکھتا ہے جس میں آتا ہے کہ حضور نے حضرت عثمان غنی سے فرمایا تھا کہ اے عثمان ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص یعنی قمیص خلافت عطا فرمائے تو اگر لوگ تم سے اس کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو تم اسے مت اتارنا۔

سرکار کے اس قول کے تحت اللہ نے آپ کو قمیص خلافت عطا فرمائی اور آپ نے اسے ہرگز نہ اتارا۔ یہ اسی وقت اتری جب کہ آپ کی شہادت ہوگئی۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ خلیفۂ رابع حضرت علی کے متعلق محدث بریلوی ہمیں کون سی فکر عنایت کر رہے ہیں۔

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین
ساقیٔ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اصل نسل صفا وجہ وصل خدا
باب فضل ولایت پہ لاکھوں سلام

شیر اول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی شیر اور بہادروں میں سب سے بڑے بہادر اور مہمانوں کو دودھ شربت سے سیراب کرنے والے پر لاکھوں سلام ہو۔

بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ آپ کو اسد اللہ کا لقب بارگاہ رسالت سے عطا ہوا۔ آپ دونوں ہاتھوں میں تلوار لیکر لڑتے تھے۔ ڈھال استعمال نہ کرتے تھے۔ کسی نے آپ سے کہا کہ آپ ڈھال کیوں استعمال نہیں کرتے ہیں تو فرمایا موت برحق ہے اس کا وقت مقرر ہے تو میں کیوں اپنی حفاظت کروں۔ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتا ہوں تاکہ زیادہ سے زیادہ کافروں کو قتل کروں۔ حضرت علی قیامت کے پیاسوں کو حوض کوثر کے پانی سے سیراب کریں گے۔ حضرت علی فرماتے ہیں ”حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر کے گستاخوں کو آب کوثر نہیں دوں گا“۔

دوسرے شعر کے ذریعہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت علی خالص پاک سادات کی جڑ ہیں۔ خدا سے ملاقات کرنے، واصل باللہ ہونے کا سبب ہیں۔ ولایت کی فوقیت کے ملنے کا دروازہ ہیں۔ آپ کے بغیر کسی کو ولایت نہیں ملتی، آپ پر لاکھوں سلام ہو۔

آپ حضور کے چچا زاد بھائی ہیں اور حضور کے داماد ہیں۔ حضور کی نسل

علی ہی سے چلی ہے آپ حسنین کریمین کے والد گرامی ہیں۔حضرت علی نے فرمایا کہ حضور نے مجھ سے فرمایا کہ علی! مومن تم سے محبت کرے گا اور منافق تم سے دشمنی کرے گا۔

دوسری حدیث شریف میں سرکار نے فرمایا ''علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں''۔حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھ کو گالی دی''۔
ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ سرکار نے فرمایا کہ اے علی! تمہاری وجہ سے دو لوگ ہلاک ہوں گے ایک تمہاری محبت میں زیادتی کرنے والے جو کہ تمہاری ایسی تعریف کریں گے کہ وہ تم میں نہیں ہیں۔ایک بغض وعداوت رکھنے والے جو کہ تمہیں سب وشتم کریں گے۔

اسلام کے آخری خلیفہ حضرت حسن مجتبیٰ کے تعلق سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیا
راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اوج مہر ہدی موج بحر ندی
روح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام

پہلے شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسن انتہائی برگزیدہ اور سخاوت کرنے والوں کے سردار ہیں، حضور کے دوش مبارک پر سواری کرنے والے ہیں ان پہ لاکھوں سلام ہو۔

بخاری ومسلم کی حدیث ہے راوی حضرت براء بن عازب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت حسن حضور کے دوش مبارک پر سوار تھے اور حضور فرما رہے تھے اے اللہ! میں ان کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ۔بخاری شریف کی ایک روایت جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، اس میں یہ آیا کہ حضور نے فرمایا حسن وحسین میرے دنیا میں دو پھول ہیں۔

دوسرے شعر سے مراد یہ ہے کہ حضرت حسن سورج کی طرح ہدایت کے بلند مقام پر فائز تھے۔آپ کے کلام کی روانی دریا کی تیز دھار کی طرح تھی، بخشش اور سخاوت سے آپ کو روحانی خوشی ملتی تھی ان پر لاکھوں سلام ہو۔

حضرت حسن کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک آدمی کو ایک ایک لاکھ عطا کر دیتے تھے۔علی بن زید کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت امام حسن نے دو مرتبہ اپنا مکمل مال فی سبیل اللہ صدقہ کر دیا تھا اور تین مرتبہ نصف مال صدقہ کیا۔

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں چالیس کروڑ روپیہ نذرانہ پیش کیا گیا آپ نے اس کو راہ خدا میں خرچ کر دیا۔

مذکورہ اشعار کے ہر ہر لفظ سے عشق امام احمد رضا کی خوشبو آتی ہے اور یہ واضح طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ آپ کے قلب وجگر میں خلفائے راشدین کی بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔مولیٰ ان کی قبر انور پر رحمت و انوار کی بارش فرمائے اور ہمیں ان کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ دنیائے اسلام کی عبقری الذات شخصیات میں سے امت مسلمہ کے عظیم رہنما شمار کئے جاتے ہیں ان کے فضل وکمال اور فقہی تصورات کی تائید کل بھی دنیا کے ہر علمی ادارے اور ارباب فہم وفراست نے کی تھی اور آج بھی پوری دنیا ان کے علمی کمالات کی مؤید ہے۔

☆

امام احمد رضا کا مذہبی وسیاسی نقطۂ نظر

از: مولانا محمد عمران رضا سنبھلی

چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا کے مذہبی، فقہی، علمی اور صوفیانہ افکار کو اغیار کے ایک بڑے طبقہ نے بھی بسر وچشم تسلیم کیا اگر چہ وہ ہمیشہ ان کے مدمقابل ہی رہے۔ امام احمد رضا بلا شبہ جہاں ایک طرف دنیائے اسلام کے لئے فقیہ اعظم عالم اسلام تھے تو وہیں دوسری جانب امت مسلمہ کے سیاسی، سماجی، فلاحی، اقتصادی اور معاشی مسائل کو اپنی فکر وتدبیر سے حل کرنے والے عظیم سیاسی رہبر بھی تھے لیکن جس طرح کل ماضی کے تنگ نظر عدل وانصاف سے لا بلد حکومت نواز مورخین نے قائد جنگ آزادئ ہند علامہ فضل حق خیر آبادی کے ہندوستان کی آزادی میں بے لوث کارناموں اور ان کی قربانی کو صرف نظر کرتے ہوئے فقط دینی درسگاہ کی زینت بنا کر پیش کیا اور انگریزوں کی تیار کردہ ضمیر فروش مسلم علماء کی جماعت جس نے مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر ہند اور باشندگان ہند کے ساتھ غداری کی ان کو قائدین جنگ آزادئ ہند اور علم بردار بنانے میں مجلس نشر و اشاعت کی تمام سیاہی سے تاریخی اوراق سیاہ کر دئے گئے۔ اسی طرح امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کو بھی تنہا عالم دین کی صورت میں پیش کرنے کی سعئ لاحاصل کی گئی اور ان کے صالح افکار و نظریات پر مشتمل سیاسی کارناموں کو صرف یہی نہیں کہ شہر خموشاں کی نذر کر دیا گیا بلکہ ظلم پر ظلم یہ کہ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۱ء تک جو بھی انہوں نے مسلم امت کی فلاح و بہبود کی لئے کارنامے انجام دیئے تھے جن کے لئے انہیں سامراجی، طاغوتی، برطانوی حکومتوں اور ہنود کے خلاف آنا پڑا۔ ان کو مکمل تحریف کے بعد انگریز دوست اور وطن مخالف بنا کر پیش کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا۔

سلطنت عثمانیہ کے تحفظ اور مقامات مقدسہ کے مخالف کے روپ میں امام احمد رضا کو تاریخ میں لکھا گیا جب کہ حقائق پر مبنی واقعات اس بات کے مدعی ہیں کہ امام احمد رضا نے خود سلطنت عثمانیہ کے تحفظ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت، امت مسلمہ کے معاشی و اقتصادی حالات کی بہتری کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا تھا اور ایک مذہبی و سیاسی پلیٹ فارم بھی تشکیل دیا۔ مذہبی جماعت، کل ہند ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے نام سے موسوم تھی جس کی تشکیل ۱۹۲۰ء میں ہوئی اور سیاسی جماعت انصار الاسلام (۱۹۱۱ء) کے نام سے مشہور زمانہ تھی۔ دونوں جماعتیں اپنے اپنے انداز فکر میں ملت اسلامیہ کی زبوں حالی کے سدباب کے لئے کوشاں تھیں۔

جماعت انصار الاسلام کے شاندار اجلاس بتاریخ ۲۲/۲۳/ ۲۴/شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ/۱/۲/۳/مئی ۱۹۲۱ء میں بریلی شہر میں منعقد کئے گئے جن میں مسئلہ ترک موالات، سلطنت اسلامیہ ترکی کی اعانت، اماکن مقدسہ مطہرہ کی حمایت وحفاظت اور ترکوں کی مدد کا موضوع بالخصوص اور مسلمانوں کو کفار ومشرکین کے حربوں سے محفوظ ومامون رکھنے کے لئے عمومی طریقہ کار بتائے گئے اور مسلمانوں کی ہر شعبۂ حیات میں رہنمائی سے متعلق گفتگو کی گئی۔ ان پر مستقل عمل بھی کیا گیا۔

امام احمد رضا انگریزی تہذیب ومعاشرت کے شدید مخالف تھے پوری زندگی امام احمد رضا نے کسی انگریز سے ملاقات نہیں کی جب تک زندہ رہے حالات کے پیش نظر انگریزوں کی سازشوں کو ناکام کرتے رہے۔ ہمیشہ انگریزوں کی تحقیر کے لئے لفافہ پر الٹا ٹکٹ لگایا کرتے تھے۔ بالخصوص آج کے اس مقالے میں امام احمد رضا کے سیاسی، مذہبی افکار ونظریات کو مکمل انصاف کے ساتھ پیش کرنا میرا مقصد ہے۔

امام احمد رضا کی زندگی میں اسلام ومسلمین کی سیاسی رہبری کا کوئی ایک واقعہ نہیں پیش آیا بلکہ متعدد دل سوز واقعات درپیش تھے جس میں اسلام ومسلمین کو دینی دنیوی عظیم تباہی وبربادی سے دوچار

کرنا مخالفین اسلام کا منشاء تھا۔ان وقوع پذیر حادثات کا تدارک امام موصوف پر بحیثیت امام دین لازم وضروری تھا۔امام احمد رضا کی سیاسی تصویر پیش کرنے سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ ان کے نزدیک سیاست اور مذہب دو متضاد چیزیں نہیں تھیں۔ بلکہ امام موصوف صرف اس سیاست کے قائل تھے جو مذہبی حدود کو متجاوز نہ ہو اور شریعت اسلامیہ کے تابع ہو۔ایسی سیاست کو وہ مستحسن قرار دیتے تھے۔

آپ نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانان عالم اور خصوصی طور پر ہندی مسلمانوں کی معاشی واقتصادی اور دینی حالت سدھارنے کے لئے ایک پروگرام مرتب کیا جو ''تدبیر وفلاح ونجات واصلاح'' کے نام سے تاریخ میں درج کیا گیا۔آپ کے اس پروگرام میں سماج کے غریب و امیر سبھی طبقات نے شرکت کی۔اس میں اس وقت کی چلنے والی مسلم کش تحریکوں کا بلاخوف وخطر رد کیا گیا۔مسلمانوں کی پچھڑے پن کو دور کرنے اور ان کو انصاف دلانے کے لئے امام نے اپنے صاحبزادگان، تلامذہ، اور خلفاء کو عملی میدان میں اتار کر کوششیں کیں۔ اس کے بعد ۱۹۱۴ء میں سلطنت عثمانیہ سے برطانیہ کی جنگ شروع ہوئی اس جنگ میں انگریز ہندوستانی سپاہیوں کا محتاج تھا اور ادھر ہندوستانی اپنے لئے ہمہ وقت پروانۂ آزادیٔ ہند کے متلاشی تھے۔انگریزوں نے وعدہ کیا کہ اگر ہندوستان اس جنگ میں ان کا معین ومددگار ثابت ہوا تو ہم اس کے بعد ہندوستان کو آزادی جیسی نعمت عظمیٰ سے نوازیں گے۔ اس مژدہ کو سننے کے بعد ہندوستانی رعایا سے۔ ع

''آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی''

کے مثل رہا نہ گیا اور یہ لوگ برطانیہ کے حامی بن گئے ۔کھیل ختم ہونے کے بعد انگریز نے اپنے آباؤ اجداد کی روایت برقرار رکھتے ہوئے ہندوستانیوں سے وعدہ خلافی کی۔ایسے وقت میں ہندو سے زیادہ مسلم جذبات کو بام عروج پر دیکھتے ہوئے اور سادہ لوحی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر گاندھی جی نے ۱۹۱۹ء کو ایک جماعت بنام تحریک خلافت تشکیل دی۔ مضحکہ خیز اور لائق شرم بات یہ ہے کہ مسٹر گاندھی نے تحریک خلافت میں مسلم قیادت انجام دینے کا سہرہ بھی اپنے ہی سر باندھا اور مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔مسلمانوں کو اپنی جانب لبھانے کے لئے یہ آواز بلند کی کہ انگریز خلافت اسلامیہ ترکیہ کو مٹا رہا ہے اور خلافت کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے۔اس لئے انگریزوں کے خلاف بھرپور جد وجہد ہر مسلمان کا اسلامی فرض ہے۔جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں کے ہاتھ ترکوں کے خون سے لت پت تھے۔اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کی جماعت سے مسٹر ابو الکلام آزاد، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، مولانا عبد الماجد بدایونی، محمد علی جناح، ظفر علی خاں وغیرہ کو اپنے ساتھ لیا۔یہ لوگ گاندھی جی کی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے یعنی دن کو رات، رات کو دن کہنے والے ان مسلم قائدین نے ہندو مسلم اتحاد کرانے کے لئے اسلامی اصولوں کو بھی گاندھی جی کے آگے قربان کر دیا اور ہر جگہ ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کیا۔گاندھی جی کو وہ عزت دی کہ اپنے کسی عالم کو نہ دی بعدہ ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے تحریک ترک موالات کی داغ بیل ڈالی اس کا مقصد بھی انگریزوں کا بائیکاٹ کر کے ان پر دباؤ ڈالنا اور ہندوستان کی آزادی کے لئے راہ سے مسلم جیسے خار ہٹانا تھے۔یہ وقت انتہائی پُر فتن تھا کہ اس میں تحریک ہجرت اور تحریک گاؤ کشی چلی ان تحریکوں کا مقصد مسلمانوں کو کمزور سے کمزور کرنا تھا۔ان تحریکوں کو استحکام عطا کرنے والے کوئی اور نہیں بلکہ مسلم ملاؤں کے لبادہ میں ملبوس جمعیت علمائے ہند کے مقتدر رہنما اور مسٹر ابو الکلام آزاد جیسے آزاد صفت لوگ اس دور میں مسلمانوں کو ہندو دھرم میں ملانے کی ملحدانہ کوششیں انجام دے رہے تھے۔اسلامی تشخص کو مسخ کر کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ ملا کر ہندوؤں کے ناپاک عزائم کی تکمیل کی جارہی تھی۔تحریک ترک موالات اور خلافت کمیٹی کے دور میں متحدہ قومی نظریہ کو فروغ دینے کے لئے گاندھی جی نے مسٹر ابو الکلام آزاد سے سادہ لوح مسلمانوں کے مابین گاؤ پرستی گاؤ رکھشا کرانے کے لئے بحیثیت مسلم

رہنما اعلان کرایا اور گائے قربانی کرنے کو ہندوؤں کی ذاتی اور عنادی بنیاد پر ناجائز قرار دیا۔ مذہبی تشخص کو مٹانا جمعیت علماء کے نزدیک لازم تھا۔ اس دور اکبری میں جاری ہونے والی غیر فطری اور منحوس تحریک (دین الٰہی) دوبارہ زندہ کرنے والے ابوالکلام آزاد غیر دینی متحدہ قومی نظریہ کی منہ بولتی تصویر تھے۔ ۲۰/جون ۱۹۲۰ء کو بنارس میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہے جس کی صدارت مسٹر کرم چند موہن داس نے کی تھی۔ جس میں سوامی شردھانند اور کچھ ہندو رہنما بھی شریک ہوئے۔ گاندھی نے اردو میں تقریر کی اور پہلی بار ''نان کو آپریشن'' کی انگریزی ترکیب استعمال کی جس کا ترجمہ بعد میں ترک موالات ابوالکلام آزاد اور عدم تعاون ظفر علی خان نے کیا۔ گاندھی جی نے خلافت کے ساتھ بڑے نفسیاتی انداز میں گئو رکھشا کا تذکرہ بھی کیا۔ اس بارے میں وہ تلاش حق میں لکھتے ہیں میرا یہ استدلال حاضرین کو پسند آیا اور گئو رکھشا کے سوال پر کانفرنس میں بحث نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود مولانا عبد الباری رکن جمعیت علماء نے اپنی تقریر میں کہا ''خواہ ہندو ہماری مدد کریں خواہ نہ کریں مسلمانوں کو اپنے برادر وطن کے جذبات کا لحاظ کر کے گئو کشی ترک کر دینا چاہیئے''

(بحوالہ ذوالفقار، پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین مولانا ظفر علی خان، مطبوعہ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۶۳ از مولانا آزاد کی تاریخی شکست ج ۱ ص ۷ ۱۴ طبع دوم ۱۹۹۶ء مکتب رضویہ لاہور علامہ جلال الدین قادری)

یہ تھے مسٹر آزاد اور ان کے ہمنواؤں کے سیاسی چہرے جنہوں نے ایسی سیاست اختیار کی جو ان کے دین پر غالب آ گئی اور انہوں نے برادر وطن ہندوؤں کی خاطر اپنے مذہب کے شعار کو ختم کرنے کی قوم مسلم کو صلاح دی جبکہ یہ وہ متنازع فیہ مسئلہ تھا کہ جس میں ہزاروں کی تعداد شہید ہو چکی تھی۔ یہ جمعیت علما اور کانگریس نواز علما اور ہندو مسلم اتحاد و وداد کے لئے کوشاں حضرات کی سیاست تھی جو بالکل ہی مذہب سے متصادم تھی۔ جس نے ان کے دین و ایمان کو بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔ اس کا پس منظر قوم مسلم کے لئے غلامی کا پروانہ دلانا تھا۔ اب اہل تحقیق اور اہل تفتیش حضرات ان کی خود غرض سیاست کے بعد اس مسئلہ کے متعلق امام احمد رضا کی شبیہ دیکھیں کہ آخر کتنی دھندلی ہے یا کتنی صاف وشفاف ہے۔

امام احمد رضا کے پاس جس وقت یہ استفتاء آیا اس وقت آپ اپنی ریاست کرتولی ضلع بدایوں زمینداری کے سلسلے میں پہونچے ہوئے تھے۔ آپ نے مستفتی کے اصرار کے سبب وہیں بغیر کسی کتاب کے استفتا کا جواب لکھا جس کا نام ''انفس الفکرفی قربان بقر'' رکھا۔ آپ نے انسداد گاؤ کشی تحریک والوں کے عزائم ومقاصد کو پرکھتے ہوئے فرمایا: ''ہم ہر مذہب وملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں بزور مخالفین گاؤ کشی قطعاً بند کرا دی جائے بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع مطہر ہرگز اس سے باز رہنے کا حکم نہیں دیتی یک قلم موقوف کیا جائے تو اس میں ذلت اسلام مقصود نہ ہوگی؟ کیا اس میں خواری ومغلوبیٔ مسلمین نہ سمجھی جائے گی؟ کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردن دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کر کے مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا؟ کیا وجہ وجیہ اپنے لئے ایسی دنائت و ذلت اختیار کرنا اور دوسروں کو دین کی مغلوبی سے اپنے اوپر ہنسوانا اپنی شرع مطہر میں جائز ہے؟ حاشا وکلا، ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہماری شرع مطہر ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی نہ ہر موقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں دوسری طرف کی توہین تذلیل روا رکھیں۔''

(امام احمد رضا رسائل رضویہ ج ۲ ص ۲۱۸ مکتبہ حامدیہ لاہور)

اہل تاریخ واقف ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی اس درجہ فائز سیاسی، مذہبی سوجھ بوجھ اور فقیہانہ بصیرت کو سراہتے ہوئے مولانا شبلی نعمانی کے استاذ مولانا ارشاد حسین رامپوری نے یہ مختصر مگر جامع تبصرہ فرمایا تھا ''الناقد بصیر'' پرکھنے والا دیدہ ور ہے۔ یہی سوال (گاؤ کشی) جب مشہور فقیہ مولانا عبد الحی فرنگی محلی سے کیا گیا تھا تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا مگر جب بعد میں ہندوؤں کے سیاسی مضمرات کا علم ہوا تو وہی فتویٰ دیا جو امام احمد رضا نے دیا تھا۔

آیئے! اور حقیقت حال کا جائزہ مکمل انصاف اور منصفانہ

مزاج کے ساتھ لیا جائے کہ آخر مسٹر ابوالکلام آزاد کی سیاسی بصیرت کتنی ذلت آمیز تھی۔ مسٹر آزاد کہتے ہیں:

''ہماری ساری کامیابیوں کا دارو مدار تین چیزوں پر ہے (۱) اتحاد (۲) ڈسپلن (۳) اور مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر اعتماد۔ (اخبار انصاری)

آگے لکھتے ہیں:

''مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر اعتماد بھی ایک تنہا رہنمائی ہے جس نے ہماری تحریک کا شاندار ماضی تعمیر کیا اور صرف اسی سے ہم ایک فتح مند مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں''۔ (حوالہ سابق)

۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت اور ترک موالات کے زمانے میں غیر محتاط خلافتی لیڈروں کی غیر اسلامی حرکات حد سے بڑھ گئیں تھیں۔ ہندو مسلم اتحاد اور متحدہ قومیت کے نعرہ بلند کئے جا رہے تھے۔ اسلامی شعائر کی پامالی روزمرہ کا معمول بنا لیا گیا تھا جیسا کہ مذکورہ بیان مسٹر آزاد کی کفر پروری کا واضح ثبوت ہے۔ اسی طرح قرآن وسنت کے احکام کو پس پشت ڈال کر گاندھی جی کے احکام واجب الاحترام قرار دئے جا رہے تھے۔ گاندھی جی کے مطابق قرآنی تفسیر کی جا رہی تھی۔ تحریک خلافت اور ترک موالات کے حامی اکثر اکابر علماء نے گاندھی جی کے نظریات کو بے دریغ عملی جامہ پہنایا بلکہ اپنے مذہب کا حصہ بنایا۔ کانگریسی علماء (جن کے رہبر مسٹر آزاد تھے) نے قرآنی آیات کی تفسیر کچھ اس طرح غیر ایماندارانہ رویہ کے ساتھ العیاذ باللہ پیش کی کہ قرآن و گیتا دونوں ہم پلہ بنا دئے۔ تحریک ترک موالات میں جمعیت علماء کے بعض رہنما مسٹر گاندھی سے اس حد تک متأثر ہوئے کہ انہوں نے اس کے لئے ''مذکّر'' اور ''مدبر'' جیسے الفاظ استعمال کئے۔

(بحوالہ مکتوبات امام احمد رضا خاں از: مولانا آزاد کی تاریخی شکست ص ۹۵)

ان تمام غیر اسلامی حرکات کے بعد جب حق پرستوں نے ان کے فکر وخیال کا پردہ فاش کیا تو ان کے خلاف غلط پروپیگنڈے کئے گئے جس میں یہ باور کرایا گیا کہ انگریز نواز لوگ ہماری تحریک خلافت کمیٹی اور ترک موالات وغیرہ جماعتوں کو جو ملک کے حق میں معین ثابت ہوں گی ان کی مخالفت کے درپے ہیں۔ جب کہ علمائے اہلسنت خلافت کمیٹی یا تحریک ترک موالات سے منحرف نہیں تھے بلکہ ان کے طریقہ کار اور ان کی غلط بیانی جو شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف تھی وہ اس کے مخالف تھے۔ جس طرح وہ آیات قرآنیہ کی غلط تاویلات کر کے انگریزوں سے تو ترک موالات ثابت کر رہے تھے اور ہندوؤں سے اتحاد و وداد ثابت کر رہے تھے۔ امام احمد رضا یا آپ کے ہم نوا شریعت کی رو سے مخالفت پر آمادہ تھے۔ امام احمد رضا کی سیاست کے اس موڑ پر بھی حوادثات زمانہ کا مقابلہ کرتے ہوئے ان کے نظریات کو غلط وفاسد قرار دیا اور ان کے انگریزوں سے معاملات تک حرام ٹھہرانے اور دوسری جانب مشرکین ہند سے نہ صرف موالات جائز رکھنے بلکہ ان کی غلامی کو اپنے اوپر فرض قرار دینے والے نظریہ کی اس طرح حقیقی تردید کی کہ ''ترک معاملات کو ترک موالات بنا کر قرآن عظیم کی آیتیں کہ ترک موالات میں ہیں سوجھیں مگر فتویٰ مسٹر گاندھی سے ان سب میں اس استثنائے مشرکین کی پچر لگائی کہ آیتیں اگرچہ عام ہیں مگر ہندوؤں کے بارے میں نہیں۔ ہندو تو ہادیان اسلام ہیں۔ آیتیں صرف نصاریٰ کے بارے میں ہیں اور نہ کل نصاریٰ فقط انگریز اور انگریز بھی کل تک ان کے مورد نہ تھے۔

حالات حاضرہ سے ہوئی ایسی ترمیم شریعت وتغئیر احکام و تبدیل اسلام کا نام خیر خواہئ اسلام رکھا ہے۔ ترک موالات کفار میں قرآن عظیم نے ایک دو، دس، بیس جگہ تاکید شدید پر اکتفاء نہ فرمائی بلکہ بکثرت جابجا کان کھول کر تعلیم حق سنائی اور اس پر بھی تنبیہ سنادی کہ ''قد بینالکم الآیات ان کنتم تعقلون'''' ہم نے تمہارے لئے آیتیں صاف کھول دی ہیں اگر تمہیں عقل ہو''۔ مگر کہاں عقل اور کہاں کان؟ یہ سب تو وداد یہود پر قربان ''لا جرم'' ان سب سے ہندوؤں کا استثناء کرنے کے لئے بڑے بڑے آزاد لیڈروں نے قرآن عظیم میں تحریف کی۔ آیات میں پیوند جوڑے، پیش خویش واحد

قہار کو اصلاحیں دیں ان کی تفصیل گزارش ہو تو دفتر طویل نگارش ہو

(الحجۃ المؤتمنہ مطبوعہ بریلی ص ۱۷/۱۶/امام احمد رضا قادری)

جب امام احمد رضا اور آپ کی قائم کردہ جماعت انصار الاسلام (۱۹۱۱ء) کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ، آپ کے صاحبزادگان علامہ حامد رضا خاں، مفتیٔ اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں، دیگر خلفا اور اراکین جماعت نے اپنے مذہبی موقف سے متصل سیاسی نظریات کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا کام انجام دیا اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھنا چاہا تو انہیں کو اسلام و مسلمین کا دشمن بتایا۔ حقائق وشواہد کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے صرف یہ مشہور کردینے پر ہی بس نہیں کہ امام احمد رضا بریلوی تحریک خلافت کے مخالف تھے بلکہ خلافت کو شریعت اسلامی کا ایک اہم ادارہ تسلیم کرنے سے گریز کرتے رہے اور ترکوں کی امداد کے بھی خلاف تھے۔

(شاہراہ پاکستان ص ۳۳۲/راز: مولانا آزاد کی تاریخی شکشت)

جب کہ امام احمد رضا نے اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کے غم کو محسوس کرتے ہوئے ۱۹۲۱ء سے بھی سالوں پہلے ان کے معاشی، اقتصادی، فلاحی مسائل سلجھانے اور انہیں خوشحالی میں دیکھنے کے لئے نجی طور پر بھی اپنے وعظ وتقاریر سے لوگوں کے مابین بیداری کی لہر پیدا کی اور جنگ بلقان کے موقع پر عالمی امداد واعانت بھی کی۔ جناب سید آل رسول محمد میاں مارہروی آپ کی دینی ہمدردی سے متعلق ۱۹۲۱ء میں فرماتے ہیں:

''۱۹۲۱ء سے برسوں پہلے جنگ بلقان ۱۹۱۱ء/۱۹۱۲ء کے موقع پر امام احمد رضا نے سلطنت عثمانیہ اسلامی سلطنت ومظلومین کی اعانت وامداد کی جو مناسب وصحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں عام طور پر شائع ہیں قولاً وعملاً ان کی تائید کی خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی اور آپ بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانت اسلام ومسلمین کے بتاتے رہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کرسکتے تھے انہوں نے کیں۔ خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا۔ مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد واعانت پر توجہ ورغبت دلائی۔ تحفظ سلطنت اسلامی کی مفید وکارگر تدابیر بتائیں۔ یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے۔

(برکات مارہرہ ومہمان بدایوں ص ۱۱/۱۲/سید محمد میاں مطبوعہ حسنی پریس بریلی ۱۹۲۲ء)

قارئین! مذکورہ تمام حوالہ جات سے امام موصوف کا مذہبی اور سیاسی نقطۂ نظر بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آخر ان کے نزدیک سیاست دین سے ہٹ کر کوئی دوسری چیز نہیں تھی بلکہ امام احمد رضا کے ایماء پر چلنے والی تحریکیں اور ان کے اراکین نے قرآن وحدیث اور ماضی کی روایات کی روشنی میں واضح طور پر یہ باور کرانا چاہا کہ مسلم ہندو اتحاد ناجائز ونقصان دہ ہے سیاسی، معاشی اور تمدنی طور پر ہندوؤں کے ساتھ رابطہ ہر وقت میں اسلامی تشخص کے زوال کا سبب رہا ہے اور یہ بتانا چاہا کہ اگر متحدہ قومیت نظریہ لوگوں میں رہا تو تمہاری ہلاکت کے دن تم سے کبھی بھی دور نہیں۔

امام احمد رضا کے نزدیک حقیقی آزادی کا تصور ان کی فکری بصیرت اور سیاسی نقطۂ نگاہ جو دیکھنا چاہتی تھی وہ سلطنت اسلامی تھی کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کو آئندہ آزادی ملنے کے بعد بھی دینی آزادی نہیں مل پائے گی اس لئے وہ غیر منقسم ہندوستان کو ایسے قانون کی آماجگاہ اور ایسی ریاست بنانا چاہتے تھے جس میں فرمان الٰہی فرمان رسول اور تعلیمات قرآن کے مطابق مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے دینی معاملات فیصل کرسکیں۔ جس کے بعد قوم وملت کھلے ذہن ودماغ کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ امام احمد رضا کی دقت نظر حال کے ساتھ مستقبل پر بھی تھی، وہ جانتے تھے کہ ان نام نہاد مسلم قائدین کے افکار ونظریات آئندہ مسلمانوں کو کسی قعر مذلت میں لے جائیں گے۔ اس لئے آپ نے ایسے نازک وحساس حالات میں بھی جذباتی پن کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ ٹھوس اسلامی رائے اور اسلامی افکار ونظریات پر جمے رہے۔ اگرچہ آپ کے یہ نظریات اس وقت لوگوں کو کچھ زیادہ بہتر معلوم نہ ہوئے لیکن آج کے ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ امام احمد رضا کے یہ شرعی وسیاسی نظریات بالکل صحیح تھے۔

آئینۂ منظر اسلام

وہ منظر اسلام جسے سرکارِ اعلیٰ حضرت نے ایک آل رسول کی فرمائش پر ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں شہرستانِ عشق ومحبت بریلی شریف کی سرزمین پر قائم فرمایا۔

وہ منظر اسلام جس کی بے مثال تعمیر وترقی اور عظمت و رفعت حضور حجۃ الاسلام کی ارفع و اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا ایک خوبصورت استعارہ ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے گلشن علم وحکمت کی لازوال تروتازگی وشادابی میں سرکار مفتیٔ اعظم ہند کا علمی وروحانی تصرف ہمہ وقت کارفرما ہے۔

وہ منظر اسلام جس کی رعنائیاں اور تابانیاں سرکار مفسر اعظم ہند کے بے مثال ایثار وقربانی اور خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

وہ منظر اسلام جس کی عالمی شہرت اور مرکزی حیثیت حضرت ریحان ملت کی قائدانہ صلاحیتوں کا ایک روشن ومنور نمونہ ہے۔

وہ منظر اسلام کہ شاہ راہ ترقی پر جس کی تیز گامی میرے والد محترم حضور صاحب سجادہ کی پرعزم، مستحکم اور مخلصانہ قیادت ونظامت کی درخشاں و دیدہ زیب تصویر ہے۔

وہ منظر اسلام جو ماضی قریب کے اکثر اکابر اہل سنت کا قبلۂ علوم وحکمت ہے۔

وہ منظر اسلام جس نے قوم وملت کو ''تحریک تحفظ ناموس رسالت'' اور '' تحریک تحفظ عظمت اولیا '' کے بے شمار جانباز سپاہی عطا فرمائے۔

وہ منظر اسلام جو دینی وعصری علوم وفنون کے ساتھ اسلامی افکار ونظریات کی ترسیل وتبلیغ، عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے عروج وارتقا کے لئے شب وروز سرگرم عمل ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے فارغین کی ایک عظیم جماعت عالم سنیت کے خطہ خطہ میں مذہب ومسلک کی بے لوث خدمت کرنے میں مصروف کار ہے۔

وہ منظر اسلام جو اپنے تابناک ماضی کی ضیابار کرنوں کی روشنی میں اپنے روشن ومنور مستقبل کے خطوط متعین کر کے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

ہاں! یہی منظر اسلام آج آپ کے جذبۂ ایثار وتعاون کو آواز دے رہا ہے۔ آئیے! اور اس کے عروج وارتقا کے لئے دل کھول کر حصہ لیجئے تاکہ اعلیٰ حضرت کے اس عظیم ادارے کا یہ علمی وروحانی قافلہ یوں ہی اپنے سفر کی منزلیں طے کرتا رہے۔

فقیر قادری محمد احسن رضا

سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United
PRINTERS BAREILLY
(M) 9319623803, 9548639384

Monthly "Aala Hazrat" Urdu Magazine
84, Saudagran Street, Bareilly 243003-(U.P.)
Ph.: 2555624, 2575683-(Office)
Fax : 2574627 (0091-581)

R.N.P. NO. 6802/60 N.I.C.
POSTEL REGD. NO. U.P BR-175/2021-23
PUBLISHING DATE : 14th]
POSTING DATE : 18th] EVRY ADVANCE MONTH
PAGES : 60 PAGE WITH COVER WEIGHT : 76 GRM

₹ 35/-
Editor : Mohammad Subhan Raza Khan (Subhani Mian)
June 2022

دعوت خیر

طالبان علوم نبویہ کے قیام وطعام ،منظر اسلام کے تمام شعبوں کے عروج وارتقا، دارالافتا کے عمدہ واحسن انتظام ، لائبریریوں کی آرائش وزیبائش ، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی مسلسل اشاعت ، رضا مسجد کی زیب وزینت ، خانقاہ رضویہ کی تب وتاب اور عرس رضوی کے وسیع انتظامات میں دل کھول کر حصہ لیں ۔

Printed Published & Owned by Mohammad Subhan Raza Khan "Subhani Mian" Printed at Raza Barqi Press, Moh. Saudagran Bareilly & Published at Office of Monthly Aala Hazrat 84, Saudagran Street Bareilly (U.P.)